اردو زبان میں نعت گوئی کا فن

تجلیات

سیّد وحید اشرف کچھوچھوی

اردو زبان میں نعت گوئی کا فن

اور

تجلّیات

از

سیّد وحید اشرف کچھوچھوی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

کتاب: اردو زبان میں نعت گوئی کا فن۔

مصنف: پروفیسر سیّد وحید اشرف

(سابق صدر شعبۂ عربی، فارسی، اردو، دانشگاہ مدراس)

اشاعت اوّل: اگست سنہ ۲۰۰۱ء۔

کتابت: عبدالقیوم اشرفی احمد آباد۔

تعداد اشاعت: پانچ سو

ناشر: ارباب حلقۂ ذکر سلسلۂ اشرفیہ بڑودہ۔ گجرات۔

قیمت: Rs 45/-

خطیب کتاب گھر اینڈ پرنٹرس خاص بازار احمد آباد

Dr. SYED WAHEED ASHRAF
AYESHA APARTMENT
17-KALYAN SOCIETY
O/S. PANIGATE,
VADODARA-390019

فہرست

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
(۱)	عرضِ حال	۴
(۲)	اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلّیات	۸
(۳)	اردو نعتیہ شاعری میں شعراء سے لغزشوں کے بعض وجوہ	۲۹
(۴)	تجلّیات پر چند دانشوروں کے تبصرے۔	۴۹
	۱۔ پروفیسر سید محمد طلحہ رضوی برق	۴۹
	۲۔ پروفیسر فاروق احمد صدیقی	۶۳
	۳۔ مولانا الہادی کاوش رامپوری	۷۳
(۵)	منتخب اشعار اور نمونۂ کلام	۷۶
(۶)	چند اشعار جن کا تعلق عام اخلاقیات سے ہے۔	۱۰۱
(۷)	استدراک۔	۱۰۲
(۸)	تحقیقات و تصنیفات و تالیفات مصنّف۔	۱۱۹

عرضِ حال

تجلیات میں ایک سو نعتیں جو تقریباً ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہیں اس میں تقریباً پچیس کلام بیس پچیس سال کے عرصہ میں لکھا گیا اور تقریباً پچہتر کلام اکتوبر ۱۹۹۵ء میں لکھا گیا۔ کبھی ایک دن میں ایک، کبھی دو، کبھی تین اور کبھی چار۔ یہ سب نعتیں غزل کے فارم میں ہیں، یہ اسطرح لکھی گئیں کہ اپنے پاؤں کے حادثے کے بعد جس میں بائیں کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی، میں ایک عرصہ تک کرب و بے چینی میں رہا۔ اسکے بعد کبھی کبھی نیم غنودگی کا عالم طاری ہوتا۔ اکتوبر ۱۹۹۵ء کی راتوں میں نیم غنودگی کے عالم میں نعتیہ اشعار قلب پر القا ہوئے۔ میں لیٹے لیٹے رات کے اندھیرے میں پنسل سے کاغذ پر لکھ لیتا پھر صبح کو صاف کر لیتا۔ چونکہ یہ اشعار بغیر کسی ذہنی کاوش کے براہِ راست دل میں آتے تھے اسلئے اسکے بعض ظاہری اور باطنی اوصاف نمایاں طور پر محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

اِن اشعار میں تشبیہہ و استعارے کا عمل شاذ شاذ ہی نظر آئے گا تشبیہہ و استعارے کی ندرت شاعر کے تخیل اور اس کے خوش فکر طبیعت کی عکاسی کرتے ہیں، لیکن یہ بغیر ذہنی کاوش کے ممکن نہیں۔ ان اشعار میں چونکہ ذہنی کاوش کو کوئی دخل نہیں اس لئے ان میں تشبیہہ و استعارے کا گذر نہ ہو سکا۔

غزل کے فارم میں جو کلام بھی کہا جائے اس میں ردیف کی ندرت بھی متوجہ کرتی ہے لیکن اسکے لئے بھی کافی سوچ بچار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلئے ان اشعار میں

ردیف بھی بالعموم سادہ، رواں اور معمولی ہیں۔

اس میں قوافی کی بھی تلاش نہ ملے گی۔ کیونکہ قافیہ بھی آپ سے آپ چلا آیا ہے، اس میں ایک شعر بھی قافیہ بندی کے لئے نہیں لکھا ہے۔ قافیہ بندی سے مراد یہ ہے کہ پہلے کوئی قافیہ متعین کرلیا جائے۔ اس کے بعد اس کو شعر میں باندھا جائے دراصل بحر، ردیف اور قافیہ ایک ساتھ آپ سے آپ آتے گئے اور انھیں قلمبند کرتا گیا۔

• اس میں اضافتوں کا عمل اور نادر تراکیب بھی نہ ملیں گی۔ صرف وہی تراکیب ہیں جو عام طور سے لفظ مرکب کی طرح مستعمل ہیں۔

چونکہ ان میں زیادہ تر اشعار فکری عمل کے بغیر وجود میں آئے ہیں اسلئے ان میں صرف جذبہ کارفرما نظر آئے گا۔ بغیر فکری عمل کے کلام کا درست ہونا عجیب و غریب اور نادر واقعہ ہے لیکن حقیقت یہی ہے۔ اتنا صرف ہوا کہ کبھی کوئی لفظ آگے پیچھے کردیا گیا جس سے صوتی آہنگی زیادہ پیدا ہوگئی۔

ان میں وہ کلام جو ذہنی کاوش کے ساتھ لکھے گئے وہ پڑھتے ہی محسوس کئے جاسکتے ہیں

۱۔ پار کرنے کو وہ امت کا سفینہ آئے۔

۲۔ عشق وہ ہے جسے نسبت شہِ لولاک سے ہے۔

۳۔ عفو و عطا و حلم و سخا و حکم شفاعت آپ کے نام۔

۴۔ پیدا ہوئے یہ دونوں جہاں آپ کی خاطر۔

۵۔ ہے گمان و وہم سے بھی نہاں وہ ضیائے حسنِ رسول ہے۔

اس کے ساتھ میلاد نامہ اور دوسرے کلام یہاں مثال کے طور پر چند نعتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فنی اعتبار سے ان اشعار میں کہیں قدماء کے اصولوں سے

انحراف نظر آئے گا۔ ہم نے اسے روا رکھا ہے، مثلاً

۱۔ اضافت کی صورت میں اگر مضاف کے آخر میں نون ہے تو قدماء اسے نون غنہ ہی لکھتے اور پڑھتے تھے اور ان کو اعلان کے ساتھ استعمال کرنا معیوب سمجھتے تھے۔ اس میں اس کی پابندی سختی سے نہیں ملے گی بلکہ ایسی صورت میں کہیں کہیں نون کو اعلان کے ساتھ استعمال کیا ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ صوتی ہم آہنگی کا لحاظ رکھا ہے۔ دراصل حقیقت یہی ہے کہ نون اعلان کے ساتھ استعمال کرنے میں اگر ثقل محسوس ہو تو اسے روا رکھنا مناسب نہ ہوگا۔ مگر یہ بھی محض ایک ذوقی چیز ہے۔ اسلئے عام طور سے اسے جائز قرار دینا مشکل ہے۔

۲۔ کہیں کہیں بالکل اتفاق سے تکرار ردیف جزوی طور پر ہو گئی ہے مگر معیوب نہیں معلوم ہوتا۔ راقم کی رائے میں اگر اتفاقاً ایسا ہو جائے اور شعر کے حسن میں اس سے خلل نہ ہو تو جائز قرار دینا چاہیئے۔

۳۔ لفظ "زیادہ" صحیح فعولن کے وزن پر ہے۔ لیکن اردو بول چال اور نثر میں پڑھنے میں بکثرت فعلن کے وزن پر استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ فعلن کے وزن پر اتنا عام ہے کہ اسکے صحت تلفظ کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوتی۔ اس لئے ہم نے غلط العام فصیح کے اصول پر اس کو فعلن اور فعولن دونوں وزن پر استعمال کیا ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ جب نثر میں یہ فعلن کے وزن پر عام طور پر مستعمل اور جائز سمجھا جاتا ہے تو شعر میں بھی جائز قرار دینا چاہیئے۔

۴۔ ممکن ہے چونکہ ان میں زیادہ تر نعتیں ذہنی کاوش کے بغیر لکھی گئی ہیں اس لئے لفظ زیادہ (بروزنِ فعلن) کی طرح کوئی اور لفظ سہواً غیر فصیح استعمال ہُوا ہو۔

یہ ساری نعتیں غزل کے فارم میں ہیں اسلئے اگرچہ ہر شعر اپنی جگہ مکمل ہے لیکن پوری نعت کو پڑھنے سے جو تأثر پیدا ہوتا ہے وہ صرف ایک شعر سے نہیں ہوتا۔ اس لئے

آخر میں ہم نے جہاں کچھ منتخب اشعار نقل کئے ہیں وہیں کچھ پوری پوری نعتیں بھی بطور نمونہ نقل کردی ہیں تاکہ کلام کا پورا اندازہ ہو سکے۔

ابھی تک نعت کو ادبی نقطۂ نظر سے اُردو ادب میں وہ مقام نہیں مل سکا ہے جو دوسرے اصناف سخن یا موضوعات کو ملا ہے۔ مثلاً مرثیہ اور طنز و مزاح وغیرہ۔ اس لئے تجلّیات کو ادبی نقطۂ نظر سے خاص طور پر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ شعر میں لفظوں کا انتخاب، ان کی نشست، کفایتِ لفظ وغیرہ کے نتیجہ میں وہ تأثر پیدا ہوتا ہے جو نثر میں نہیں ہوتا۔ اگر اشعار ان کا موضوع خواہ کچھ ہو، دلوں کو متأثر کریں اور ذہن محفوظ ہو تو یقیناً وہ ادب پارے ہیں اور انھیں ادبی مقام ملنا چاہئے۔ تجلّیات کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

اس کتاب میں دانشوروں کے وہی تبصرے شامل ہیں جو دستیاب ہو سکے سیاست جدید حیدرآباد اور بعض دوسرے رسالوں میں شائع شدہ تبصرے ہمیں دستیاب نہ ہو سکے اسلئے وہ اس میں شامل نہ ہو سکے۔

یہ بات قابلِ تحسین اور قابلِ ذکر ہے کہ ساہتیہ اکاڈمی گجرات نے اس کی ادبی اہمیت کو تسلیم کیا اور اس کتاب پر انعام سے نوازا۔ اس کے لئے گجرات ساہتیہ اکاڈمی مبارکباد کی مستحق ہے۔ امید ہے کہ تجلّیات کے قارئین میرے اس احساس میں شریک ہوں گے۔

سید وحید اشرف

اردو زبان میں نعت گوئی کا فن

رحمۃ للعٰلمین، خاتم النبیین، سرورِ کائنات، خلاصۂ موجودات، سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وستائش کا نام نعت ہے۔ نعت نثر میں بھی ہو سکتی ہے اور نظم میں بھی۔ لیکن نعت بطورِ اصطلاح شعر ہی کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ اور ایسی شاعری کو جس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی گئی ہو نعتیہ شاعری کہتے ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے اشعار اور نعتیہ اشعار کو پسند فرمایا ہے کیونکہ مصنوع کی تعریف اصل میں صانع کی تعریف ہے اور اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ تعریف کے مستحق ہیں۔

خود خالقِ کائنات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف پسند ہے۔ اسلئے خود اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف قرآن میں کی ہے۔ کہیں براہِ راست اور اکثر آیات سے آپ کی تعریف کا پہلو نکلتا ہے۔ لیکن آیات سے مفہوم کا استنباط کرنا علمائے دین کا کام ہے اور وہ تعریفیں جو براہِ راست کی گئی ہیں وہ واضح ہیں، ان پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کا بیان کرنا باعثِ رحمت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' کے آخر میں اس طرح رقمطراز ہیں:

اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے تیرے دربار میں پیش

کرنے کے لایق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فسادِ نیّت موجود رہتی ہے۔ البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلسِ میلاد کے موقع پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت عاجزی وانکساری، محبّت وخلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا رہتا ہوں۔"

اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلادِ مبارک سے زیادہ تیری خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لئے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بے کار نہ جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا۔ اور جو کوئی درود و سلام اور اس کے ذریعہ دعا کرے گا وہ کبھی مسترد نہیں ہو سکتی۔

(ناشر: ادبی دنیا: مٹیا محل دہلی)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کر کے نعت کا انداز بتا دیا۔ ہر نعت گو ان اوصاف کا اعادہ کرتا ہے اور کرنا چاہیے، جنکا ذکر خود خدا نے قرآن میں کر دیا ہے یا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق فرمایا جو حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی کہتے تھے جو اللہ تعالیٰ وحی کرتا تھا یا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قلب پر الہام کرتا تھا۔ کیونکہ قرآن مجید میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ارشاد ہے کہ "وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ"

وہ نعتیہ شاعری جو قرآنی اوصاف پر مبنی ہے اس کا تعلق بالعموم بیانیہ شاعری سے ہے۔ لیکن ظاہر ہے کوئی بھی نعت گو ان سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا اور نہ کرنا چاہیے۔

نعتیہ شاعری کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق شاعر کے اپنے جذبات سے

ہے۔ یہی مشکل مرحلہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہر قدم پر ادب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ بارگاہِ نبوت میں ذرا بھی بے ادبی آدمی کے سارے اعمال کو بے کار کرسکتی ہے۔

نفس گم کشتہ می آید جنید و بایزید ایں جا۔

اس لئے ہم یہ تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی مسلمان دانستہ بارگاہِ نبوت میں کسی بھی بے ادبی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر سہواً اُس سے ایسی لغزش ہو جائے تو اسکو فورًا اپنے قول و عمل سے رجوع کر لینا چاہیئے اور تائب ہو جانا چاہیئے کہ اس رجوع اور توبہ میں اس کی عزت افزائی اور سلامتی ہے۔

نثر میں ایسی لغزش کم از کم میرے لئے نا قابلِ تصور ہے۔ لیکن شعر میں لغزش کا امکان رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نثر میں آدمی کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کا موقع ہوتا ہے اور کوئی مسلمان ہرگز کوئی بات ایسی کہنا گوارا نہیں کرے گا جس سے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہوتی ہو۔ لیکن شعر میں گوناگوں اسباب کی وجہ سے ایسی لغزشیں دیکھنے میں آتی ہیں، کم علم لوگوں کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے کوئی بھی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو بہت کم علم ہے اور نعتیں لکھتا ہے اور ان میں غلطیاں نہیں کرتا۔ حالانکہ اسکا مقصد ہرگز بے ادبی کرنا نہیں ہوتا۔ لیکن زبان و بیان اور نعت کے آداب سے بے خبری کے نتیجے میں وہ ایسا کر گزرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ کسی بہت اچھے استاد سے جو نعت گوئی کے لوازمات سے آشنا ہو اور اُردو زبان کی نزاکتوں سے واقف ہو، اصلاح لے لیا کریں لیکن ایسے استاد بھی مشکل سے ملتے ہیں۔

کم علموں سے لغزشوں کی مثالیں پیش کرنا بے سود ہے۔ کیونکہ اُن سے لغزشیں ہونا یقینی ہی ہے۔ میں دو مثالیں صرف ان لوگوں سے پیش کرتا ہوں جنکا شمار پڑھے لکھے لوگوں میں ہوتا ہے۔ ایک صاحب نعت میں لکھتے ہیں: ؏

عــــ درج حسنِ عطا ہے تمہاری شاہانہ

یہاں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کو دُنیوی بادشاہ کی عطا کے مثل بتایا ہے۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جو عطا کر سکتے ہیں وہ دنیا کے بادشاہوں سے ممکن نہیں ہے اور جو دنیا کے بادشاہ عطا کر سکتے ہیں اسکو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کے مثل بتانا جہل کے مترادف ہے۔ مثل اور مثال میں فرق ہے۔ مثل قرار دینے میں مشبہ بہ کا رتبہ مشبہ سے افضل ہوگا۔ یہاں دُنیاوی بادشاہ کی عطا نعوذ باللہ زیادہ افضل قرار پائے گی۔ یہ بیان علم معانی و بیان سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اس بیان میں مثل غلط تو ہے ہی مثال بھی درست نہیں ہے۔

ایک صاحب کا شعر یہ ہے: ؎

عمر بھر ہم پھرے کو بہ کو

تجھ سا پایا نہیں خوبرو

اُردو میں یہ شعر امیر خسرو کے اس فارسی شعر کی بازگشت ہے جو انھوں نے اپنے مرشد کے متعلق کہا ہے۔ ؎

آفاقہا گردیدہ ام عشقِ بتاں ورزیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

امیر خسرو علیہ الرحمہ اپنے مرشد حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو خطاب کرکے کہتے ہیں کہ، میں نے ساری دنیا میں کوچہ نوردی کی، بہت سے پیر و مرشد دیکھے اور ان کی صحبت اختیار کی، لیکن آپ کا رُتبہ سب سے بلند ہے۔ آپ کے مثل کسی کو نہیں پایا۔

دراصل امیر خسرو علیہ الرحمہ کی یہ شاعری ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں

NPFFN
IF
٤٣٩/١٤/٢١

جو نثر میں بیان نہیں کی جاسکتیں، لیکن شاعری میں جائز ہیں۔ حضرت امیر خسرو تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارا مرشد وقت کا سب سے بڑا مرشد ہے۔ لیکن اسکے لئے یہ کہنا کہ میں ساری دنیا میں پھرا ہوں اور بہت زیادہ مُرشدین کی صحبت میں رہا ہوں، ایک خلافِ واقعہ بیان ہے۔ لیکن " تو چیزے دیگری " کیلئے یہ بیان ضروری تھا یہاں مقصد واقعہ نگاری نہیں بلکہ دعویٰ کے ثبوت کیلئے اس شاعرانہ دلیل کو بیان کرنا ضروری تھا۔ اس بیان کا تعلق صرف تخیل اور شاعری سے ہے جو شاعری میں جائز ہے۔ ایسی خلافِ واقعہ بات اگر نعت میں کہی جائے تو جائز نہ ہوگا۔ لیکن اس مضمون کو کوئی صاحب لے اُڑے اور نعت پر منطبق کر دیا جو پہلے ہی نقل کیا جاچکا ہے

یہ کہنا کہ میں نے دنیا میں چھان مارا اور بہت جستجو کی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا کہیں مل جائے مگر کہیں نہ ملا۔ ایک مسلمان کے ایمان کے خلاف بات ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی بھی صفاتِ حسنہ میں نہیں ہو سکتا، صورت و سیرت، جمال، کمال، حُسنِ اخلاق، روحانی قوت اور معجزہ یہاں تک کہ قوتِ بشری میں بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کوئی ہمسر نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چار ہزار مردوں کی طاقت دی تھی۔ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مسلمان کا جب یہ ایمان پہلے ہی سے ہے تو اب آپ کے کسی ہمسر کی تلاش میں کوچہ کوچہ پھرنا اس ایمان میں شک کے مترادف ہے۔

مضمون کے علاوہ نعت میں زبان و بیان کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے ہم اسے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک تو اصنافِ شعر اور دوسرے زبان و بیان کے بعض مسائل۔ لیکن اصناف پر زبان کو اوّلیت حاصل

ہے۔ اصناف میں زبان کا عمل دخل پورا ہوتا ہے۔ لیکن اس بحث سے پہلے ہم بعض اصولی باتوں کی طرف توجہ دینا چاہتے ہیں۔

اُردو اور فارسی ادب میں فصاحت و بلاغت اور معانی و بیان کے سارے مسائل قرآن سے ماخوذ ہیں۔ معانی و بیان پر پہلے عربی زبان میں کتابیں لکھی گئیں اور وہاں سے فارسی میں ان مسائل کو داخل کیا گیا۔ فارسی زبان سے اُردو میں یہ مسائل لئے گئے۔ اردو اور فارسی زبان میں اب تک ادب کے حُسن و قبیح کا معیار یہی تھا جو قرآنی بنیادوں پر قائم ہوئے تھے۔ اسی لئے درسگاہوں میں عربی و فارسی بلکہ اردو کے بھی ادبیات کے طالب علم کو ان اصولوں کا جاننا ضروری تھا۔ اس کا فائدہ کم از کم یہ تھا کہ طالب علم کو بنیادی طور پر شعر فہمی کا ذوق ہو جاتا تھا اور وہ اس کے محاسن اور معائب کو شعر سمجھ لیتا تھا، شعر فہمی کے لئے یہ بنیادی لوازم ہیں اسکے بغیر جدید تنقید محض عبارت آرائی ہوگی۔

مذکورہ بالا لوازمات سے قطع تعلق کر لینے کے سبب آج طلبا کو محاسن و معائبِ شعر کے محاسن و معائب سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ہماری ساری کلاسیکی شاعری انھیں اصولوں کی پابند ہے۔ ان اصولوں سے قطع تعلق کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اب طلبا اپنی کلاسیکی شاعری سے ناواقف ہوتے جا رہے ہیں۔ ایران کا حال کچھ اس سے بھی بُرا ہے۔ ایرانی طلبا خود اپنی کلاسیکی شاعری کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ مغربی اثرات کا نتیجہ ہے۔ تمام اصناف سخن میں جو زور، حُسن اور اثر پیدا ہوتا ہے وہ انھیں اصولوں کی پیروی سے ہوتا ہے۔ خواہ لکھنے والے کو اس کا پورا علم نہ ہو۔ کیوں کہ یہ اصول ہماری روزمرہ کی زندگی میں رچ بس گئے ہیں اور انکا استعمال روزانہ بے تکلفی سے کرتے ہیں۔ ہماری زبان کی ساخت و پرداخت انھیں اصولوں پر ہوئی ہے، اور زبان بن جانے کے بعد یہ اصول مرتب ہوئے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زبان پہلے بنتی ہے اور اس کے اصول و قواعد بعد میں اہلِ علم مرتب کرتے ہیں۔ اُردو زبان میں یہ اصول و قواعد کسی قدر پیچیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بابائے اُردو عبدالحق سے پہلے کسی نے ان کی طرح باریک بینی سے اُردو قواعد مرتب نہیں کی تھی۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بات اُن سے چھوٹ بھی گئی ہو۔ (یہاں اسوقت کوئی کتاب میرے پیشِ نظر نہیں ہے۔) اس وقت ہمارے سامنے زیرِ بحث مسئلہ اردو زبان میں ضمیر آپ، تو، تم، تمہارا اور تیرا یعنی ضمیر واحد حاضر کے استعمال کا ہے۔ کیونکہ نعتیہ شاعری میں کبھی کبھی بعض لوگ ابھی تک ان کے استعمال پر تشکیک میں مبتلا ہیں۔ چونکہ ہمارے پیشِ نظر اُردو قواعد کی کوئی کتاب نہیں ہے اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ ضمیروں کا استعمال ہم روزمرّہ اور محاورہ کے مطابق کرتے ہی رہتے ہیں، اور اصول تو ہمارے محاورہ کی بناء پر بنتے ہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ضمیر واحد حاضر کا استعمال عام بول چال میں نہیں ہوتا اور نثری تحریر میں بھی عام طور سے نہیں ہوتا۔ انگریزی میں بھی ایسا ہی ہے۔ اُردو میں "تُو" کے بجائے تم اور آپ استعمال ہوتے ہیں۔ فارسی میں "تو" کے بجائے "تان" اور "شُما" استعمال ہوتے ہیں۔

ہماری کلاسیکی شاعری میں "تو" کا استعمال ہوتا رہا ہے اور آج بھی شعر میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ ہمارے ہی زمانہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو "تُو" کو حرفِ تحقیر کا ہم معنیٰ سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کو بھی آپ اور جمع کے صیغہ میں خطاب کرتے ہیں، غالباً ان کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ یہی لوگ سب سے زیادہ مؤدّب اور صحیح العقیدہ ہیں لیکن یہ مسئلہ خالص زبان کا ہے۔ ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ اردو زبان میں یہ کس طرح استعمال ہوتا ہے۔ زبان کسی گروہ کی اجارہ داری نہیں ہے۔ صرف "تو" پر بحث کرنے سے پہلے ہم یہ دیکھیں گے کیا اللہ تعالیٰ کو جمع کے صیغے

میں خطاب کرنا درست ہے؟ اس سلسلہ میں ہمیں قرآن ہی سے ہدایت حاصل کرنی ہوگی۔ پورے قرآن پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے تو واحد اور جمع دونوں میں استعمال کیا ہے اور یہ اس کا حق ہے۔ عربی میں صیغہ متکلم میں تثنیہ نہیں ہوتا۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ خود جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرے تو وہ تثنیہ نہیں ہو سکتا اور جب دو نہیں ہو سکتے تو تیسرے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اگر عربی میں تثنیہ کا صیغہ ہوتا تو تثنیہ کو چھوڑ کر جمع کا صیغہ استعمال کرنا بے محل ہوتا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ کا اپنے لئے نحن استعمال کرنے سے نہ تثنیہ ہو سکتا ہے نہ جمع۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے لئے واحد ہی کا مفہوم نکلتا ہے۔ عربی زبان میں تثنیہ نہ ہونے کی حکمت بھی اس سے ظاہر ہوتی ہے اور اس سے عربی زبان کی ایک عجیب و غریب خوبی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بندہ حاضر اور غائب کے صیغے میں اللہ تعالیٰ کو کس طرح خطاب کرے؟ قرآن میں جہاں کہیں خدا نے اپنے کو بندہ سے مخاطب کرایا ہے وہاں صرف واحد کے صیغہ ہی میں خطاب کرایا ہے۔ واحد حاضر کے صیغہ میں لکَ، انتَ اور واحد غائب کے صیغہ میں لہٗ اور ھُوَ۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کو واحد ہی کے صیغہ میں خطاب کریں۔

اردو میں واحد حاضر "تُو" ہے، اس کا استعمال تحقیر کے لئے بھی ہوتا ہے اور تعظیم کے لئے بھی۔ لیکن محلِ استعمال پر یہ احتمال باقی نہیں رہتا کہ یہ لفظ تحقیر کے لئے ہے یا تعظیم کے لئے۔ یعنی موقعہ استعمال پر معنی قطعی طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا استعمال اسطرح ہو کہ دونوں معانی مُراد لئے جا سکیں تو اسکا استعمال ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اور اگر اللہ و رسول کے لئے ہے تو احتمال کفر بھی ہے۔

"تُو" کا استعمال جب تحقیر کیلئے ہوتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ

مخاطب اپنے وجہ تحقیر میں فرد ہے اور اگر ایسا نہ بھی ہو تب بھی اس لفظ کو جس قصوروار کے لئے بطور تحقیر کوئی استعمال کرے تو اُسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس قصوروار میں دوسرے کو شامل کرے۔ اس لئے اگر وہ اپنے غصہ کا اظہار ہی کرنا چاہتا ہے تو لفظاً " تُو " استعمال کرتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک ہی شخص کو قصوروار ٹھہراتا ہے دوسرے کو نہیں۔

" تو " کا استعمال کبھی اپنے برابر والے ایک دوسرے کیلئے کرتے ہیں۔ جہاں کوئی چیز محل ادب ولحاظ نہیں ہوتی بلکہ شائستگی کا بھی لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہوتا اور اکثر بے تکلفی ہوتی ہے یا پیار و محبت کا جذبہ ہوتا ہے۔ لیکن کسی بھی بڑے آدمی کو اسطرح خطاب کرنا بے ادبی ہوگی۔

اُردو شاعری میں ہمارے قدماء سے لے کر آج تک سبھی شعراء بشمول صوفی شعراء نے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے تُو، تیرا، تیرے استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں فرد ہے۔ اس فردیت کا اظہار اردو میں " تُو " اور فارسی میں " تُو " سے ہوتا ہے۔ یہ استعمال ابتدا سے بکثرت رائج ہے۔ اس لئے مثالوں کی ضرورت نہیں۔

اس کے لئے قدماء اور بزرگ شعراء سے بھی مثالیں نہیں پیش کی جاسکتیں۔ موجودہ دور میں اگر کوئی بزرگ شخصیت بھی اس اصول کے خلاف روش اختیار کرے تو اُسے سند کے طور پر نہیں پیش کیا جا سکتا۔

فارسی میں بھی آپ کی جگہ " تان " استعمال کرتے ہیں اور یہ بھی روزمرہ کے آداب میں داخل ہے، اس میں سب برابر والے شریک ہیں۔ فارسی نعتیہ شاعری میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے " تو " اور " توئی " کا استعمال بکثرت ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ضمیر استعمال کرنے کا طریقہ شعر میں یہ رہا ہے کہ اگر ضمیر

حاضر یا غائب واحد ہے اور لفظاً ظاہر ہے تو اسکے لئے فعل بھی واحد لاتے ہیں اور اگر ضمیر ظاہر نہیں ہے تو ایسے موقع پر فعل جمع لا سکتے ہیں۔

یہ صرف فارسی زبان کی خصوصیت ہے اسکی وضاحت کیلئے مثالیں ضروری ہیں۔ پہلے ایک شعر نقل کیا جاتا ہے جس میں خدا کو بطورِ فاعل استعمال کیا ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں: ؎

اگر خدائے کسے را بہر گناہ بگیرد
زمیں بنالہ در آید زمانہ آہ بگیرد

یہاں فاعل کی مناسبت سے فعلِ واحد کا استعمال کیا ہے۔

حافظ شیرازی ہی کے شعر سے ذیل میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس میں فعل جمع استعمال کیا ہے

از لذتِ حیات ندارد تمتعے
امروز ہر کہ وعدہ بفرادش می دہند

حدیث شریف میں ہے کہ دنیا مؤمن کیلئے قید خانہ ہے جس کو جنّت کی خواہش ہے یا جسے دیدارِ خدا مرغوب ہے اُسے لذاتِ دنیاوی میں غرق ہونے سے بچنا ضروری ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا میں بغیر کھائے پئے اور سرد و گرم سے احتیاط کئے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں۔ لیکن اصول یہی ہے کہ آدمی بقدرِ ضرورت دنیا کو استعمال کرے۔ اس کے لئے اسے حرص و ہوس اور عیش و عشرت کو ترک کرنا پڑے گا۔ یہاں "می دہند" کا فاعل خدا کی ذات ہے۔ لیکن چونکہ فاعل لفظاً مذکور نہیں ہے اس لئے فعل جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس وعدہ کی اطلاع بندوں کو، فرشتوں، رسولوں، اور آسمانی کتابوں سے ہوئی ہے۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ اُن فرشتوں سے لیتا ہے جو اِن اُمور پر

مقر ہیں۔

حافظ کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔ ؎

آسماں بارِ امانت نتواست کشید

قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

یہ قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ زمین و آسمان اور پہاڑ اور دریا پر جب وحیٔ الٰہی کی امانت پیش کی گئی تو سب نے انکار کر دیا۔ انسان نے قبول کر لیا۔ یہاں فاعل کو لفظاً ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔ "زدند" فعل جمع لایا گیا ہے۔

غالب کا ایک شعر نقل ہے: ؎

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود

پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اب سوال یہ ہے "تُو" کا استعمال غیر خدا کے لئے تعظیم کیلئے کب استعمال ہوتا ہے۔ جہاں تک افضل خلائق سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا تعلق ہے تو یہ وہ ذات ہے جو مخلوق میں فرد ہے۔ اسلئے مخلوق میں اس ذات کی فردیت کے اظہار کے لئے "تُو" ہی کا استعمال زیادہ مناسب اور بلیغ ہے۔ حضرت مولانا احمد رضا خان کہتے ہیں: ع

خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

کبھی ایسی خوبی کا بیان ہوتا ہے جو اگرچہ دوسروں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس خوبی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کوئی نہیں ہے۔ مثلاً حضرت مولانا احمد رضا خان ہی کا کلام ہے: ع

نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہاں زیادہ مناسب "تجھ سے" کا استعمال ہے۔ لیکن

ہمارا مدعا دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ جود و سخا میں سیّدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہمسر کوئی نہیں ہے۔

یوں تو کسی خوبی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ہمسر نہیں ہے، لیکن جزئیات کا جب بیان کیا جائے گا تو اسی مناسبت سے لفظوں کا استعمال ہوگا جس طرح باری تعالیٰ کے لئے سبھی اسمائے حسنیٰ ہیں۔ لیکن قرآن میں ہر ایک کا بیان موقعہ اور محل کے مطابق ہوا ہے۔

ضمیر "آپ" کا استعمال ہماری روزمرہ زندگی کے آداب میں داخل ہے یہ اردو کلچر، اردو تہذیب اور اُردو ادب کی دین ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ ہم "آپ" کہہ کر تعظیم کا حق ادا کر رہے ہیں۔ اخلاقیات میں ہم دشمن اور کافر کو بھی "آپ" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ جہاں تعظیم اور بڑائی کرنا ہی مقصود ہوتا ہے تو اُردو سے پہلے بھی اس طرح کے الفاظ استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً جہاں پناہ، اعلیحضرت عُلیا حضرت، والاجاہ، جناب والا وغیرہ۔ جہاں پناہ تو اب نہیں رہ گیا۔ لیکن باقی الفاظ حاضر کے موقع پر بھی خطاب کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ انگریزی میں .... HIS HIGHNESS و HIS HOLINESS وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، لیکن ضمیر واحد حاضر کے طور پر ہمارے پاس دو ہی الفاظ ہیں "آپ" اور "تم"، جہاں "تُو" کے استعمال کا موقعہ نہیں ہے وہاں آپ اور تم ہی استعمال ہوگا۔ لیکن "تم" کا استعمال شعر ہی میں جائز ہوگا، یا نثر میں اس کا استعمال ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو مرتبہ میں یا عمر میں چھوٹے ہیں۔ لیکن یہ کوئی کلّیہ بھی نہیں ہے۔ یہ اصول ہے کہ جو چیز نثر میں جائز نہیں وہ شعر میں جائز ہو سکتی ہے۔ زبان کے استعمال کے سلسلہ میں ہمارے لئے سند قدماو اور بزرگ شعراء ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے آپ اور تم کا استعمال کسی طرح جائز نہیں۔

نعت ہر زبان میں لکھی جا سکتی ہے اور ہر صنفِ شاعری میں لکھی جا سکتی ہے فارسی میں بالخصوص قصیدے کی ہیئت میں نعتیں لکھی گئی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ نعتیہ شاعری کسی بھی صنفِ سخن میں ہو سکتی ہے اور ہر صنفِ سخن میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حقائق کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹنے پائے اور اگر حقائق یا دلائل شاعرانہ ہوں تو اُن کی تاویل نعت کے مناسب ہو ورنہ شاعرانہ حقائق سے بھی گریز کرنا چاہئے! جیساکہ پچھلے صفحات میں ایک شعر سے مثال دی گئی ہے۔

نعتیہ شاعری قصیدے میں زیادہ پرشکوہ نظر آتی ہے۔ قصیدے میں اندازِ بیان جتنا پُرزور اور پُرشکوہ ہو سکتا ہے وہ دوسرے اصنافِ سخن میں بہت کم نظر آتا ہے۔ ہاں مثنوی میں رجزیہ شاعری پُرزور اور پُراثر انداز میں کی گئی ہے۔ سید عبداللطیف ذوقی ویلوری کی مثنوی "معجزۂ مصطفٰےؐ" (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی بیّن مثال ہے۔ ذوقی کی اس مثنوی پر راقم بہت پہلے تفصیل سے لکھ چکا ہے۔

فارسی میں حضرت ذوقی علیہ الرحمہ نے کثرت سے قصائد لکھے ہیں۔ ان کے قصائد تقریباً سبھی نعت و منقبت میں ہیں۔ ذوقی کے قصائد پر بھی راقم متعدد مضامین لکھ چکا ہے۔ عرفی کے نعتیہ قصائد بہت مشہور ہیں۔ اس کے دو شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ ؎

انعام تو بر دوختہ چشم و دہن آز
احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را
تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل
لیلائے حدوث تو و عذرائے قدم را

"تجلیات" میں راقم کا ایک نعتیہ قصیدہ بھی شامل ہے۔ یہ قصیدہ

ایران، پاکستان، ادارۂ تحقیقات فارسی کے مجلّہ "دانش" میں بھی چھپ چکا ہے
شعر لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس میں غنائیت ہوتی ہے غنائیت کی وجہ سے شعر زیادہ رواں اور اثرانگیز ہو جاتا ہے اور چونکہ نعت اکثر مذہبی تقاریب میں اور خصوصاً سماع کے موقعوں پر پڑھی جاتی ہے اور سماع میں تو ساز کا التزام بھی ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس سے غنائیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لئے غزل کی ہیئت میں نعت زیادہ لکھی گئی ہے۔ کیونکہ غزل میں ردیف کی تان، قافیہ کی جھنکار اور پھر غزل کی بحر کی مخصوص موسیقیت غنائیت پیدا کرنے میں بہت معاون ہوتی ہیں۔ اسلئے غزل کے فارم میں نعتیں زیادہ لکھی گئی ہیں۔ اور پڑھی بھی جاتی ہیں۔

ترنم اور غنائیت کے لئے ہندی اور اودھی الفاظ کا استعمال بھی اردو میں بکثرت ہوا ہے اور ان کے استعمال سے مختلف طریقوں سے غنائیت پیدا کی گئی ہے۔ غنائیت پیدا کرنے کا ایک طریقہ لفظوں کی تکرار ہے۔ جیسا کہ حافظ شیرازی کے کلام میں کہیں کہیں ملتا ہے۔ مثلاً ایک غزل میں ردیف کی تکرار ہے۔ ع

خطائے رفت رفت

کچھوچھہ شریف کے بزرگ سیّد علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے نعتوں اور نعتیہ گیتوں کا مجموعہ "تحائف اشرفی" کے نام سے لکھا تھا۔ اس میں ایک عارفانہ غزل میں تکرار لفظ سے کام لیا ہے۔ اور اس سے حسنِ صوتی میں اضافہ کیا ہے۔ ؎

کیوں ڈھونڈتے پھرتے ہو مجھے تم
کیوں میری تلاش میں ہوتے ہو گُم
فی انفسکم فی انفسکم فی انفسکم

ایک مصرعہ میں یوں تکرار ہے: ع

انا اقربکم انا اقربکم انا اقربکم انا اقربکم

اسی انداز میں پورا کلام ہے۔

یہ تکرار صرف عربی اور فارسی ہی میں جائز نہیں بلکہ کسی زبان میں بھی ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کا تعلق چونکہ شعری محاسن سے ہے۔ اس لئے اس میں جواز اور عدم جواز کی بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اسطرح کے سوالات سامنے آتے ہیں اس لئے اس پر بھی خامہ فرسائی کرنی پڑی۔ اردو میں لفظوں کی تکرار سے کسی طرح موسیقی اور غنائیت پیدا ہوتی ہے۔ اسکے لئے راقم اپنی ہی کتاب "تجلیات" سے مثالیں پیش کرتا ہے۔ ؎

یادِ نبی کی جوت سے جو دل جگمگ جگمگ جگمگ جگمگ ہے۔
اس کے سر پر رحمتِ باری پگ پگ پگ پگ پگ پگ ہے

اوپر کے شعر میں بیان کردہ حقیقت سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے۔ تجلیات میں ایک نعت کے کئی اشعار میں لفظوں کی تکرار سے موسیقیت اور تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں مدھم مدھم، رم جھم رم جھم، کم کم، تھم تھم کی تکرار ہے۔ ایک جگہ چھم چھم کی تکرار اسطرح ہے۔

دل می رقصد من ہم رقصم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم
چھم چھم

جن لفظوں کی تکرار ہوئی ہے، وہ سب ہندی کے ہیں۔ یہ لفظوں سے کھیلنا نہیں ہے بلکہ لفظوں کا استعمال اسطرح کرنا ہے جن سے موسیقیت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ کلام کا حُسن ہے۔ "تجلیات" ہی سے ایک ایسی مثال دی جاتی ہے جس میں فارسی لفظ کی تکرار ہے۔

فرقت میں رفیق اپنی تنہائی ہے تنہائی
تنہائی ہی تنہائی، تنہائی ہی تنہائی

حافظ شیرازی نے ایک غزل میں ہر شعر میں صرف لفظوں کو ادل بدل کر شعر

پورا کر دیا ہے۔ یعنی پہلے مصرعہ میں جو الفاظ ہیں دوسرے مصرعہ میں اس کی ترتیب بدل دی ہے اور مصرعہ درست ہو گیا ہے۔ یہ بھی ایک فن ہے۔ "تجلیات" میں بھی ایک کلام اسی طرح ہے۔ ؎

اللہ کی اطاعت ہے آقا کی اطاعت میں
آقا کی اطاعت ہے اللہ کی اطاعت میں

اس نعت میں نو اشعار ہیں اور ہر شعر میں یہی التزام کیا گیا ہے۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ نعت ہر صنفِ سخن میں لکھی جا سکتی ہے اور نعتیہ گیت بھی لکھے جا سکتے ہیں، یوپی اور بہار میں نعتیہ گیت کثرت سے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں۔ اور گیت چونکہ ہندی اور اودھی زبان میں زیادہ شیریں ہوتے ہیں اسی لئے بالعموم ہندی اور اودھی ہی میں گیت لکھے جاتے ہیں۔

علی احمد جلیلی نے اپنی کتاب "نقد و نگاہ" میں نعت پر ہندی اور ہندوی اثرات کا بھی مختصر جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ نعت پر ہندی زبان کا اثر بھی بہت رہا ہے۔ اور ہندی زبان کے الفاظ اس میں بہت استعمال کئے گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہندی مذہب و معاشرت اور ہندو مذہبی علائم بھی استعمال کئے گئے ہیں۔

جہاں تک ہندی لفظوں کا تعلق ہے تو اردو زبان میں ان کا چلن ہوتا ہی رہا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مذہبی علائم کا استعمال کس طرح ہوا اور ہو سکتا ہے۔ علی احمد جلیلی نے محسن کاکوروی کے قصیدے سے یہ اشعار نقل کئے ہیں۔

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

خوب چھایا ہے سرِ گوکل و متھرا بادل
رنگ میں آج کنھیّا کے ہے ڈوبا بادل
گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل
خبر اُڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
راجہ اِندر ہے پری خانۂ مے کا بانی
نغمۂ لے کا سری کرشن کنھیّا بادل
دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں
تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے
نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

یہ طویل قصیدہ اس شعر پر ختم ہوتا ہے۔ ؎

کہیں جبریل اشارے سے کہا بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

اس میں بنارس اور دوسرے شہروں کے مذہبی تقدّس کو علائم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ شیخ علی حزیںؔ نے بنارس کے متعلق یوں لکھا ہے۔

از بنارس نروم معبد عام است ایں جا
ہر برہمن پسرے لچھمن و رام است ایں جا

شیخ علی حزیں نے بنارس میں جو دیکھا واقعہ کے طور پر بیان کردیا۔ اسے یہ منظر بڑا انوکھا لگا۔ یہاں تک کہ اس منظر اور اس کے پس منظر سے واقفیت کے لئے اس نے یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ بنارس چھوڑ کر کہیں جانا پسند نہیں کرتا۔

یہاں برہمن کا بچہ لائقِ پرستش ہے اور اس کی پوجا ہوتی ہے کہ گویا وہ رام اور لچھمن ہے۔ یہ ایک مخصوص مذہبی پس منظر ہے اور اس کا اپنا تقدس ہے جو منفرد ہے۔ اسلام میں تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی بزرگ مخلوق ہستی معبودیت کا مقام نہیں پا سکتی۔ اوپر نقل کردہ تمام اشعار نعت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ نعتیہ قصیدے میں تشبیب کا نعت سے مناسبت رکھنا ضروری ہے۔

علی احمد جلیلی نے اپنی اسی کتاب میں امجد حیدر آبادی کی ایک نعتیہ گیت کے دو بند نقل کئے ہیں جس کا ٹیپ کا شعر یہ ہے جو نعت سے مناسبت نہیں رکھتا:۔

جوگن کی جھولی بھر دے او رام نام والے

نعت میں ایسے اشعار بھی لکھے جاتے ہیں جن کا تعلق اخلاقی بلندی اور اوصافِ حسنہ سے ہوتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بُعِثتُ لِاُتمّم مکارمِ اخلاق یعنی میں اخلاق کے تمام محاسن کو کمال تک پہنچانے کے لئے آیا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے خود آپ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اِنّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیم یعنی بیشک آپ اخلاق کی بڑی بلندی پر ہیں۔ آپ کی ذات تمام اخلاقی خوبیوں کا سرچشمہ ہے، اس لئے جہاں بھی اخلاقِ حسنہ کی تعریف کی جائے تو اس کا تعلق آپ کی ذات سے ہوگا۔ اور اخلاقی تعلیمات آپ کی ہدایت کا جزو بھی ہیں۔ "تجلیات" سے اس طرح کا صرف ایک شعر بطورِ مثال پیش کیا جاتا ہے۔

وہ آدمی نہیں جس سے ہو آدمی کو ضرر
وہ آدمی ہے جو کام آئے آدمی کے لئے

قصیدہ میں ایسے اشعار کی گنجائش زیادہ ہوتی ہے خصوصاً تشبیب کے اشعار میں۔ نعتیہ قصیدے میں تشبیب مشکل تر کام ہے کیونکہ اس کا نعت سے مناسبت رکھنا ضروری ہے۔ عرفی کے ایک مشہور نعتیہ قصیدے کے تشبیب کے دو اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں: ؎

اقبال کرم میگزد ارباب ہمم را
ہمّت نخورد نیشتر لا و نعم را

بے برگیِ من داغ تہد بر دلِ مسلماں
بے مہریِ من زرد کند روئے درم را

پہلے شعر میں کہا گیا ہے کہ ہمت والے کسی سے کچھ سوال نہیں کرتے کیونکہ کرم کا قبول انھیں ڈستا ہے۔ یہ شعر حدیث کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس کا تعلق نعتیہ اشعار سے زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثعبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ایک بات کی ضمانت تم دو میں تمہیں جنّت کی ضمانت دیتا ہوں۔ انھوں نے اقرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنی حاجت سوائے خدا کے کسی سے نہ طلب کرو۔ اس کے بعد حضرت ثعبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور اگر آپ کا کوڑا زمین پر گر جاتا تو کسی سے اُٹھانے کو نہ کہتے خود گھوڑے سے اُتر کر کوڑا اُٹھا لیتے۔

دوسرے شعر میں دنیا کی طرف اپنی بے التفاتی کا ذکر کیا ہے جو بالکل واضح ہے۔

نعت میں دعائیہ اشعار بھی لکھے جاتے ہیں۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئے لیکن جب وہ اللہ کے محبوب سے مدد کا طالب ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے محبوب کی دعا خصوصاً نبی کی دعا رد نہیں ہوتی کیونکہ انکی مرضی مرضیٔ حق ہے۔

اس بحث میں خصوصی توجہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صیغہ واحد حاضر استعمال کرنے کی طرف دی گئی ہے۔ بہت سے لوگ اس معاملہ میں یہاں تک مذبذب نظر آتے ہیں کہ خدا کے لئے بھی آپ استعمال کرتے ہیں اور پھر فوراً بعد تُو بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں خود یہ نہیں معلوم کہ یہ ضمیریں کیوں استعمال کرتے ہیں، اور ان کی کیا معنویت ہے۔ اس لئے راقم نے اسے جسطرح سمجھا اسے تفصیل سے توجیہات کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ع۱ خدا کے لئے آپ یا تم کا استعمال کرنا کسی طرح جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں ضمیریں فعل جمع چاہتی ہیں۔ بندہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدا کو واحد کے صیغے میں خطاب کرے۔

ع۲ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تُو یا تیرا کا استعمال اس وقت جائز ہوگا جب بیان میں آپ کے کمالات کی یا کسی کمال کی فردیت کا ذکر ہو۔

ع۳ نثر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف "آپ" ہی استعمال کرنا درست ہوگا اور یہ استعمال کسی بھی بزرگ ہستی کے لئے زیبا ہے۔

ع۴ شعر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تم یا تمہارا استعمال کرنا جائز ہوگا اور یہ استعمال کسی بھی بزرگ ہستی کے لئے زیبا ہے۔

ع۵ ایک مسئلہ "حضرت، آنحضرت اور اعلیٰ حضرت کا ہے۔ اس بارے میں بھی راقم واضح طور پر لکھنا چاہتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا مطلب کسی ایسی ہستی کی طرف اشارہ کرنا ہے جو بعض پر فضیلت رکھتی ہو۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔ کیونکہ آپ افضلِ خلائق ہیں۔ آنحضرت کا مشارٌ الیہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہوگی تو اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم یا کوئی اور درود لکھنا ضروری ہے۔ شعر میں چونکہ مشارٌ الیہ قرینہ سے ظاہر ہو جاتا ہے اس لئے

مشارٌ الیہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے تو درود لکھنا اور نہ لکھنا دونوں جائز ہوگا اگر نام کے ساتھ حضرت لگا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ درود لکھنا ضروری ہے۔ لیکن اگر حضرت تنہا بطور اسم اشارہ استعمال ہوا اور مشارٌ الیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے تو اسکے ساتھ درود کا ہونا واجب ہے۔ لیکن شعر میں چونکہ قرینے سے مشارٌ الیہ معلوم ہوجاتا ہے اسلئے درود لکھنا اور نہ لکھنا دونوں جائز ہے۔

اس مضمون میں جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضمیر "آپ" استعمال کی گئی ہو تو ہم نے اکثر اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہے، کبھی نہیں بھی لکھا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود نہ پڑھنے والے پر لعنت ہے۔ لیکن ضمیر یا اسم اشارہ ہوا ور مشارٌ الیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو تو اس موقعہ پر درود پڑھنا اور لکھنا بالعموم رائج نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس موقعہ پر واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر اس موقعہ پر بھی درود لکھا اور پڑھا جائے تو ادب ہی میں داخل ہوگا۔ البتہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے "ص" یا "صلعم" لکھنا درست نہیں ہے۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے تو میں نے ایک بزرگ عالم دین کو دیکھا کہ جب ان کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا تو وہ ادب سے کھڑے ہوجاتے۔ یہ اُن کا ادب تھا۔ لیکن اسے مسئلہ نہیں بنایا جاسکتا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جتنا بھی احترام ممکن ہو کیا جائے۔ کہ ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس مضمون کا تعلق "اردو زبان میں نعت گوئی" کے سلسلے میں زبان و بیان سے ہے۔ یہ کوئی فتویٰ نہیں ہے اور نہ اس کا مقصد کسی کے خلاف کچھ لکھنا ہے۔ ہر کلمہ گو کا ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلائق ہیں اور آپ کا احترام فرض ہے اس یقین کے ساتھ کہ: ؏ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

اُردو نعتیہ شاعری میں شعراء کی لغزشوں کے بعض وجوہ

ہم نے پچھلے مضمون میں دو اشعار پیش کر کے اور ان کا تجزیہ کر کے یہ دکھایا ہے کہ نعت کے موضوع پر شعراء کیوں کر اور کس طرح غلطیاں کرتے ہیں۔ اردو زبان میں شعر کہنے والے اتنے کثرت سے ہیں جن کا شمار کرنا بھی عملاً ممکن نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہر وہ آدمی جس کی طبیعت کچھ موزوں ہے وہ اپنے کو شاعر سمجھتا ہے۔ اس زمانے میں جبکہ موزونی طبع بھی شعر کہنے کے لئے لازمی شرط نہیں رہ گئی تو اس تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے: جیسا کہ ہم نے کہا تھا کہ کلام کو سمجھنے کے لئے معنی و بیان کے مسائل سے واقفیت ضروری ہے مگر اب اس کے بغیر بھی شاعر کیا بلکہ لوگ مفسر اور علامہ بن گئے ہیں۔ معنی و بیان کے مسائل سے واقفیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ صرف ان کی اصطلاحات اور ان کی تعریفوں کا حافظ بن جائے۔ بغیر ذوق کے محض ان اصطلاحات کو جان لینا کافی نہیں۔

چونکہ نعتیہ اشعار عام طور سے عوام میں پڑھے جاتے ہیں اور انھیں سے داد تحسین حاصل کی جاتی ہے اس لئے نعتیہ شاعری کرنے والے لوگ اور بھی زیادہ نظر آتے ہیں۔ انھیں یہ احساس نہیں کہ موضوع کے اعتبار سے یہ مشکل ترین شاعری ہے۔ جب اس شاعری کے لئے کوئی شرط نہ رہی تو لازمی طور پر ایسے شاعروں سے لغزشوں کا ہونا ممکن ہی نہیں ضروری ہے۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نعتیہ شاعری میں عام شعراء سے غلطیاں کیوں ہوتی ہیں۔

شاعری میں زبان و بیان کے پہلوؤں پر نظر رکھنا اور درست شعر کہنا ضروری ہے۔ لیکن شعر کو محاسن کا حامل بنانے کے لئے محض اتنا کافی نہیں ہے نعتیہ شاعری میں اگر شاعر عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا ہو تو اس کے کلام میں جو قوت و تاثیر اور جذبہ کی صداقت نمایاں ہوگی وہ محض بیانیہ شاعری میں ممکن نہیں عشق کی کیفیت اس کو لغزشوں سے بھی محفوظ رکھ سکتی ہے کیوں کہ یہاں عشق خود معلّمِ ادب ہوگا اور یہ عشق اس بارگاہ کی عظمت کو فراموش نہ ہونے دیگا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ شاعر میں یہ کیفیت ہر وقت ہو۔ اس لئے نعت لکھنے میں ہر وقت اپنے حدود کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

عرؔفی جس کے ذہن کی دراکی اور علوِّ فکر اس کے کلام سے اظہر من الشمس ہے اور جس کو بڑے بڑے باذوق دانشوروں نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے، ایک نعتیہ قصیدے میں لکھتا ہے کہ نعت گوئی میں صرف ذہنی کاوش سے کام لینا نعت کے مرتبہ کے سزاوار نہیں ہے بلکہ یہاں اخلاص و محبت کی ضرورت ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

دانش نکشاید بسزا عقدۂ نعتت
زیں جاست کہ اندیشہ نگوں کرد عَلَم را

یعنی صرف علم و دانش سے نعت کا عقدہ نہیں کھل پاتا۔ یہاں فکر عاجز ہے اور عجز سے اپنے جھنڈے کو جھکا دیا ہے۔

مدحِ تو ز اخلاص کنم گو نہ از علم
از بتکدہ چوں آورم آہوئے حرم را

میں آپ کی مدح علم سے نہیں بلکہ اخلاص و محبت سے طلب کرتا ہوں۔

(عقل کے) بتکدہ سے میں حرم کا آہو کیسے پا سکتا ہوں (یعنی میری خواہش ہے کہ آپ کے عشق میں ڈوب کر نعت لکھوں نہ کہ ذہنی کاوش سے)۔

ہر آدمی سے غلطی ممکن ہے سوا اس کے جس پر وحی کا نزول ہوتا ہے یا جسے خدا ہی محفوظ رکھے اور شعراء اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن نعت لکھنے میں زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ ہر آدمی کے علمی اور فکری حدود بھی ہیں۔ جس شاعری کا تعلق مشاہدۂ کائنات اور اس میں فطرت کے عوامل سے ہو اس میں آدمی جزئیات کے بیان میں فکری غلطیاں کر سکتا ہے۔ پھر اس کا شعور مزید بیدار ہوتا ہے اور اس کی استنباطی اور استخراجی قوت اس پر نئے اسرار منکشف کرتی ہے اسطرح اس کی فکر ارتقائی منزلوں سے گذرتی ہے۔ اس عمل میں اس سے غلطیاں خطائے بشری کا تقاضا ہیں اور مفکّر سے بالعموم ایسا ہونا ضروری ہے۔ شاعر یا مفکّر سے غلطیاں کیوں ہوتی ہیں یہ میرا موضوع نہیں ہے۔ یہ درمیان میں صرف سخن گسترانہ بات آگئی ہے۔ مقصد صرف اتنا کہنا ہے کہ اَلاِنسَان مُرَکّبٌ مِنَ الخطاءِ وَالنِّسیان۔

لیکن نعت لکھتے وقت ہر فرد کو اپنی حدود کا احساس کر لینا چاہیئے اگر ہر شاعر اس بات کا لحاظ رکھے اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرے تو اس محتاط رویّہ کی بناء پر نعت لکھنے میں یقیناً اس سے غلطیوں کا امکان کم سے کم ہو جائے گا۔ اور کم از کم وہ معنوی غلطیوں سے تو بچ سکے گا۔ لیکن المیہ ہے کہ زیادہ تر عام شعراء اس کی پروا نہیں کرتے اور غلطیوں کا ارتکاب محض بے پروائی کی بناء پر کر جاتے ہیں۔

ہماری زبان میں بعض الفاظ، روزمرّہ اور محاورات ایسے ہیں جو عام بول چال بلکہ تحریر و تقریر میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن وہی الفاظ و محاورات رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان کے منافی ہیں یا طریقۂ استعمال سے آپ

کی شان کے منافی ہو سکتے ہیں۔ میں یہاں ایک ایسا شعر پیش کر رہا ہوں جسے پڑھے لکھے لوگوں کی زبانی محفلوں میں مجھے بار بار سُننے کا اتفاق ہوا ہے۔

مثالِ مصطفےٰ کوئی پیمبر ہو نہیں سکتا
ستارہ لاکھ چمکے مہرِ انور ہو نہیں سکتا

اس شعر پر غور کرنے کے لئے تمہید میں ایک مقدمہ ضروری ہے۔ اُردو شاعری میں رشک کا مضمون کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ رشک کو اچھا سمجھا گیا ہے یعنی اگر کوئی شخص یہ خواہش کرے کہ غالب کی طرح بڑا شاعر بن جائے یا کسی عالمِ دین کی طرح بڑا عالم بن جائے یا گاما پہلوان کی طرح پہلوان بن جائے تو یہ خواہش بُری نہیں ہے۔ البتہ حسد بُری چیز ہے کیونکہ اس میں آدمی دوسروں کی تباہی و بربادی کی خواہش کرتا ہے۔ لیکن اگر آدمی رشک نہ بھی کرے تو یہ ہر آدمی کا حق ہے کہ قدرت نے اس کو جو بھی صلاحیتیں دی ہیں اُن کو استعمال کر کے اپنی استعداد کو ممکنہ حدِ کمال تک پہنچائے۔ اب اگر ایک آدمی اپنی جسمانی قوت کی استعداد کو اسلئے بڑھاتا ہے کہ یہ اسکا حق ہے تو وہ اپنی جسمانی قوت کو بڑھائے۔ یہ رشک نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنا مطمحِ نظر یہ بنائے کہ وہ گاما کی طرح پہلوان بن جائے تو یہ رشک ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ علمِ دین حاصل کرتا ہے اور اپنی علمی صلاحیت کو بقدرِ استعداد درجۂ کمال تک پہنچائے تو یہ خوبی کی بات ہوگی لیکن اسے رشک نہ کہیں گے لیکن اگر وہ یہ خواہش کرے کہ وہ مثلاً شاہ ولی اللہ دہلوی جیسا عالم بن جائے تو یہ رشک ہوگا اور یہ بُری بات نہ ہوگی۔ ہمارے اصل مقصد کو سمجھنے کے لئے یہ مثالیں کافی ہیں۔ ان مثالوں کے بعد اس مصرعہ پر غور کیجئے۔

ستارہ لاکھ چمکے مہرِ انور ہو نہیں سکتا۔

ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ مہرِ انور ایک ستارہ ہی ہے، بلکہ صرف

شاعر کے مدعا کو پیشِ نظر رکھیں گے جو شعر کے مفہوم سے ظاہر ہے۔ مصرعہ میں روزمرّہ "لاکھ چمکے" استعمال کیا گیا ہے۔ اور پھر "مہرِ انور ہو نہیں سکتا" کہہ کر اسی کے بعد "لاکھ چمکے" استعمال کر کے رشک کا مفہوم پیدا کر دیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ستارہ لاکھ چمکے یا لاکھ چاہے یا لاکھ کوشش کرے۔ اس مصرعہ میں ستارہ اور مہرِ انور کا استعمال بطور استعارہ کیا گیا ہے۔ اس میں لف و نشر غیر مرتب ہے۔ مہرِ انور سے مراد سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات ہے اور ستارہ اُن کے سوا ہر نبی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ ستارہ یعنی ہر نبی اس کوشش میں ہے کہ وہ مہرِ انور یعنی سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرح صاحبِ فضیلت ہو جائے جبکہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے۔ یہ تو ملتا ہے کہ بعض نبی نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کاش وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت میں ہوتے، لیکن رشک کا مضمون نبی کی شان کے خلاف ہے۔ اور اگر کوئی اُمّتی ایسا چاہے تو وہ نہ صرف جاہل بلکہ راندۂ درگاہ ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ شاعر نے اسے ناسمجھی سے لکھا ہے۔ اس لئے کوئی فتویٰ نہیں صادر کرنا چاہئے۔ شاعر کی نظر اس پر نہیں تھی کہ اس بیان سے کیا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اس کی ردیف خود اس کی متقاضی ہے کہ شاعر کو بڑی احتیاط اور بہت سنبھل کر نعت لکھنا چاہئے۔ اور اگر وہ مشّاق شاعر نہیں ہے تو اس ردیف سے بچنا ہی بہتر ہے۔ بہرحال کھلّم کھلّا کوئی کلمہ گو ایسا بیان نہ کریگا۔ اگر جان بُوجھ کر کھلّم کھلّا ایسا بیان کرے تو یقیناً اس پر فتویٰ صادر کیا جا سکتا ہے۔

راقم نے یہ صرف اس لئے لکھ دیا ہے کہ جن نعت گو شعراء تک یہ مضمون پہنچ سکے کم از کم وہ پہلے سے زیادہ محتاط ہو جائیں۔ ان کی احتیاط کا اثر دوسرے شعراء پر بھی پڑ سکتا ہے۔ اور آئندہ ممکن ہے کہ نعتیہ شاعری کے لئے بھی نقد و تبصرہ کے کچھ اصول متعیّن ہو سکیں۔

عرفی کو نعت لکھنے میں احتیاط کا زیادہ خیال تھا۔ اس کے باوجود لغزش سے

خائف رہتا تھا۔ وہ لکھتا ہے۔

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را

اے عرفی ہوشیار کہ ایک ہی آہنگ سے نعتِ شہِ کونین اور دنیا کے بادشاہوں کی مدح نہیں لکھنا چاہیئے۔ اور پھر رسولِ اکرم کو خطاب کر کے لکھتا ہے۔

ہرگاہ کہ در مدح بلغزم تو ببخشائے
کز مدح ندانم من حیران شدہ ذم را

اگر میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدح میں لغزش کروں تو مجھے معاف فرمادیں، کیونکہ آپ کے علوِّ مرتبہ کا خیال کر کے عقل حیران ہو جاتی ہے اور اس حیرانی میں مجھے معلوم نہیں کہ میں نے جو مدح لکھا ہے وہ آپ کے مرتبہ کے شایان شان ہے یا نہیں۔ اسی لئے غالب نے کہدیا کہ

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ پیمبر است

غالب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کو خدا کے سپرد کر دیا کیونکہ وہی ذات پاک آپ کے مرتبہ سے واقف ہے۔

زبان و بیان سے لاعلمی کی بنا پر غلطی کا امکان تو رہتا ہی ہے لیکن اس زمانے میں جدیدیت کے نام پر زبان میں نہ صرف بناؤ کے مقابلہ میں بگاڑ زیادہ پیدا ہو رہا ہے بلکہ اسے دانستہ نعت پر آزما کر شاعر ایسی فاحش غلطیوں کا مرتکب ہو رہا ہے کہ اسے یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ شعر سے مدح کا پہلو نکلتا ہے یا ذم کا۔ اگر نعت سے ہٹ کر کوئی عام موضوع ہوتا تو ہم کوئی تعارض نہ کرتے لیکن نعت میں ایسی فاحش اغلاط کو دیکھ کر جس میں ذم کا پہلو نمایاں ہے خاموش رہنا خود جُرم کا مرتکب ہونا ہے۔ اس لئے

یہاں" ٹوک دو گر غلط کہے کوئی "، پر عمل کرنا اپنا فرض بن جاتا ہے۔

یوں تو اس طرح کی غلطی کہیں بھی اور کسی رسالہ میں بھی کی جائے تو جائز نہیں قرار دی جا سکتی لیکن جب ایک مشہور و معروف دینی درسگاہ دار العلوم لطیفیہ ویلور جیسے ذی وقار ادارہ کے ترجمان **اللطیف** میں ایسی غلطیاں شائع ہوں تو اُسے آشکارا کرنا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ **اللطیف** کا دینی وقار مجروح نہ ہونے پائے اور خواص کی نظروں سے گرنے نہ پائے اور عوام غلط رہنمائی سے بچ جائیں۔

ان باتوں کے ساتھ ایک خوش آیند بات یہ ہے کہ شاعر علیم صبا نویدی کی کتاب "کتاب سے کتاب شناسی" تک میں یہ برملا اظہار کیا گیا ہے کہ معاصرین شعراء کی غلطیوں اور عیوب پر گرفت کرنا ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ خود چاہتے ہیں کہ اگر ان سے اغلاط سرزد ہوں تو فوراً اس پر گرفت کی جائے۔

علیم صبا نویدی کی کتاب "کتاب سے کتاب شناسی تک"، کا ابتدائیہ "حرف اولین"، کے نام سے ڈاکٹر راحت سلطانہ کے قلم سے لکھا ہوا ہے جنھوں نے علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری پر پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی لکھا ہے۔ جیسا کہ ان کے بیان سے ظاہر ہے، وہ لکھتی ہیں۔

"عام طور پر ہمارے نقّادوں میں ایک صفتِ خاص قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ کسی بھی شعری مجموعے یا نثری شہ پارے پر مقدمہ یا تبصرہ کرتے ہوئے ایسے رسمی جملے اور ایسی عام سطحی باتیں لکھ دیتے ہیں کہ کسی بھی شاعر کا نام کسی بھی تبصرہ یا مقدمہ کی پیشانی پر لکھ دے تو اس سے کوئی خاص فرق محسوس نہ ہوگا۔ شاید نقّادوں کا یہ صلح کُل کا رویّہ ان کی وسعت قلبی کی غماز ہے جسکی وجہ

ہے شاعر و ادیب اپنے معائب و محاسن کے فرق سے نہ صرف نا آشنا رہ جاتے ہیں بلکہ ان کے ذہن سے ایک طرح کی تعلّی اور اک گونہ جمود راہ پایا جاتا ہے۔ (خط کشیدہ جملہ کے الفاظ اصل متن میں اسی طرح ہیں) جو ادب اور ادیب دونوں کے لئے نقصاندہ ہے۔ علیم صبا نویدی کی مذکورہ مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ہر ایک تحریر کے سیاق و سباق میں جھانکتے ہوئے اس کے پیش منظر و پس منظر کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اور بے کم و کاست اپنی رائے کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ یہی امتیازی شان ان مشتملات کو افادہ عام کیلئے شائع کرنے کا سبب بنی ہے۔"

محترم کے لکھنے کے مطابق اس تحریر کے "افادہ عام" کا جو پہلو اس وقت میرے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ خود علیم صبا نویدی معاصرین شعراء اور ادباء کی غلطیوں پر گرفت کرنا ضروری سمجھتے ہیں (اور راقم کی رائے میں بھی یہ درست ہے) اس لئے اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ خود چاہتے ہیں کہ اگر ان سے اغلاط سرزد ہوں تو فوراً اس پر گرفت کی جائے۔ ان کا یہ رویہ میری نظر میں قابلِ تحسین بھی ہے۔

اس کے باوجود اگر معاملہ نعت یا کسی خاص مذہبی موضوع کا نہ ہوتا تو ہم نظر انداز کر جاتے۔ البتہ ہمارا طریقہ الگ یوں ہوگا کہ ہم بلا دلیل کسی کو غلط نہ کہینگے اور جو کچھ لکھیں گے وہ تحلیل و تجزیہ اور دلائل کے ساتھ۔ کیونکہ زبان و بیان کے اصول ہمارے پابند نہیں بلکہ ہم ان اصولوں کے پابند ہیں۔ لہٰذا ان اصولوں سے بے نیاز ہو کر ہمیں حکم لگانے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اصل بحث پر آنے سے پہلے ایک اور امر کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا۔ اس دور میں جدیدیت کے علمبرداروں میں شمس الرحمٰن فاروقی کا نام بہت نمایاں ہے۔ ان کے نزدیک اس دور کے اردو شعراء کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ اظہار کے

نئے اسالیب اختیار کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلوب کی جدت سے کون انکار کرسکتا ہے اردو تاریخ پر نظر ڈالیے تو قلی قطب شاہ سے لے کر غالب و اقبال تک اسالیب ین بتدریج ترقی یافتہ صورتیں نظر آئیں گی۔ اسالیب کا یہ سفر جاری ہے اور رہے گا، اور سچ تو یہ ہے کہ یہ سفر کسی ادبی تحریک کے بغیر جاری رہا ہے۔ لیکن شمس الرحمٰن فاروقی نے یہ کبھی نہیں کہا کہ جدیدیت کے نام پر زبان و بیان کے بنیادی اصولوں سے یکسر انحراف کیا جائے۔ اس پر خود ان کی شاعری گواہ ہے میں نے ایک بار مدراس یونیورسٹی میں جب شمس الرحمٰن فاروقی کو مدعو کیا تھا تو ان سے کہا تھا کہ جدیدیت سے زبان کو زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے اور شعراء بڑی بے راہ روی اختیار کر رہے ہیں۔ اس کا جواب انھوں نے یوں دیا تھا کہ کلاسیکی دور کے صرف چند شعراء ہیں جن کو تاریخ ادب اردو میں کوئی مقام حاصل ہے اور بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جن کو لوگ جانتے بھی نہیں۔ یہی حال اس دور کے شعراء کا ہوگا۔ وہ لوگ جن کو شعر کہنے کا سلیقہ ہوگا اور جن کو فن پر قدرت ہوگی وہی زندہ رہیں گے باقی اپنی موت مرجائیں گے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے ماضی کے تجربہ سے مستقبل کی نشاندہی کردی ہے۔ اس آئینے میں شعراء اپنا محاسبہ خود کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک بات کا اور اضافہ کرنا چاہوں گا۔ اگر کسی شاعر کی اپنی کوئی فکر ہے اور اسکی قوت مشاہدہ تیز ہے اور اس تازہ فکر و تجربہ کو شعری پیکر عطا کرنا چاہتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ کلاسیکی پختگی کو چھوڑ کر اظہار کے صرف نئے طریقہ پر زور دے۔ اس ارادی عمل میں یہ زیادہ ممکن ہے کہ شعر کا حلیہ ہی بگڑ جائے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ زمانے کی رفتار ہی جدید سے جدید تر کی طرف رہی ہے اور اس میں شاعر کا اپنا وجدان کارفرما رہا ہے تو اب بھی شاعر کا اپنا وجدان شعر کو جدید تر بنانے

میں اپنا کام کرتا رہے گا۔ اگر تھوڑے ہی تفحص سے کام لیا جائے تو کلاسیکی دَور کے شعراء کے کلام میں ایسے اشعار مل جائیں گے جن پر جدید ہونے کا گمان ہوگا۔ یہاں جدیدیت اور کلاسیکیت کا امتیاز بھی نہیں رہ جاتا۔ لیکن جدیدیت سے اگر مراد فن سے فرار یا شعر و نثر کے امتیاز کو ختم کر دینا ہے تو ہمارے مخاطب یہ لوگ نہیں ہیں۔

اس تمہید کے بعد علیم صبا نویدی کی نعت پر نظر ڈالتے ہیں جو اللطیف ۱۴۲۱ھ میں شائع ہوئی ہے۔ لکھتے ہیں :۔

اک نہ اک طوفان سے ہر روز اک مُڈبھیڑ ہے
تھامنے کو روز اپنا دامن آئے مصطفےٰ

پہلے مصرعہ میں لفظ مڈبھیڑ بہت ثقیل ہے۔ اگرچہ یہ پابند شاعری ہے مگر مصرعہ میں کوئی رچاؤ اور پختگی نہیں ہے۔ دوسرے مصرعہ میں محاورہ کے غلط استعمال سے ایسا گستاخ آمیز مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ الامان و الحفیظ۔ دامن اس کا تھاما جاتا ہے جس سے آدمی مدد یا نجات کا طالب ہوتا ہے۔ " دامن تھامنے " کے بجائے یہاں " بازو تھامنے " کا موقع تھا۔ بازو کمزور کا تھاما جاتا ہے۔ محاورہ کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کے سبب کتنی بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اور لکھتے ہیں :۔

کس کی خاطر عالم امکاں کا ہے یہ اہتمام
ہم سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ہے برائے مصطفےٰ

اس میں چند در چند غلطیاں ہیں۔ ہم صرف ایک بڑی معنوی غلطی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

دوسرے مصرعہ میں " ہم سمجھتے ہیں " کہہ کر حال کو اپنی ذاتی سمجھ پر موقوف

کیا ہے ۔ جب آدمی کسی چیز کو اپنی ذاتی سمجھ پر موقوف کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو ہماری سمجھ سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے کیونکہ عقول میں اختلاف کا ہونا ناگزیر ہے ۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہماری سمجھ سے واقعہ تو یہ ہے لیکن بعض دوسروں کی سمجھ اس کے خلاف ہو سکتی ہے ۔

دوسرا عیب یہ ہے کہ شاعر نے اس چیز کو اپنی سمجھ پر موقوف رکھا ہے جس کا حق وہ نہیں رکھتا ۔ یہ تو کائنات کا خالق ہی بتا سکتا ہے کہ کائنات کس کے لئے ہے ۔ خالق کے بتانے سے ہمیں معلوم ہوا ۔ جو صرف خالق کے اختیار میں ہے ۔ شاعر اُسے اپنے ذمہ لے رہا ہے ۔ " ہم سمجھتے ہیں " کی جگہ اگر " قول ربّی ہے " ہوتا تو شعر اچھا ہو یا نہ ہو، بات درست ہوتی ۔

مقطع دیکھئے :۔

بعد رحمت بھی صبا کو آپ سے اُمید ہے
کون ہوگا حشر میں اپنا سوائے مصطفٰے

یہاں " بھی " کا استعمال ایسا غلط ہے جس نے معنی میں عیب پیدا کر دیا ہے ۔ اگر بات یوں ہوتی کہ اپنے گناہوں کے بعد بھی آپ سے رحمت کی امید ہے تو بات درست ہوتی ۔ یہاں " رحمت " کو عیب کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے ۔

اور شعر ہے :۔

میری اپنی پتلیاں اُن پتلیوں میں ڈوب جائیں
زیرِ لب جن پتلیوں میں مسکرائے مصطفٰے

" پتلیوں میں پتلیاں ڈالنا " کون سا محاورہ ہے ؟ اس میں مدح کا کون سا پہلو ہے ؟ جس ہستی کی خاکِ پا کو مومن اپنی آنکھوں کا سُرمہ بنانے کا آرزومند ہوتا ہے، شاعر بجائے ان کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں میں لگانے کے اپنی

آنکھوں کو اُن کی آنکھوں میں ڈبونا چاہتا ہے ایسا کیوں ہے؟ کہنے والا ہی سمجھے۔

یہ بھی شعر دیکھئے:

تیرگی کی بھیڑ سے باہر نکلنا ہے مجھے
میرے آگے ضو فشاں ہے نقش پائے مصطفےٰ

قرآن میں ہے "اللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ" یعنی اللہ ان کا دوست ہے جو ایمان لائے۔ انھیں وہ (کفر کی) تاریکی سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے۔ قرآن میں یہاں تیرگی سے مراد کفر کی تیرگی ہے۔ کیونکہ ایمان لانے والا کفر چھوڑ کر ہی ایمان لاتا ہے۔

لیکن یہاں شاعر لکھتا ہے کہ اُسے ابھی تیرگی سے باہر نکلنا ہے۔ گویا ابھی اسے ایمان کی روشنی نہیں ملی۔ اگر یہاں تیرگی سے مراد کفر کے علاوہ کچھ اور ہے تو شاعر کو یہاں صراحت سے کام لینا چاہئے تھا۔ پہلا مصرعہ یوں ہوتا تو یہ اعتراض جاتا رہتا۔ ع تیرگی کی بھیڑ سے شکرِ خدا میں بچ گیا۔

یہاں لفظ "بھیڑ" بھی حشو ہے۔

اور آگے دیکھئے۔

دوسرے سایہ کو کیا دیتی جگہ اپنی جگہ
یہ زمیں سایہ بنی تھی زیر پائے مصطفےٰ

دونوں مصرعوں میں کیا ربط ہے؟ اور شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟ یہ وہی سمجھے۔

یہ شعر بھی ہے۔

مسجد و منبر میں اسکو قید کیوں کرتے ہیں لوگ
گو نجتی ہے دونوں عالم میں صدائے مصطفےٰ

شعر کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ پیغام مصطفی علیہ السلام جو دونوں عالم میں گونجتا ہے، وہ دونوں عالم میں نہ گونجے اس لئے اس کو مسجد کے اندر قید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی مسجد میں یہ پیغام نہ سُنانا چاہیئے۔ حالانکہ شاید شاعر کے دل میں یہ بات ہی ہوگی کہ چاہیئے کہ مسجد میں پیغام محدود نہ کریں بلکہ اسے سارے عالم میں پھیلائیں۔ اگر مقصد یہ ہے تو پہلا مصرعہ یوں ہونا چاہیئے تھا۔

مسجد و منبر میں کیوں محدود کرتے ہیں اسے

لیکن پھر بھی شعر صفائی بیان سے محروم ہے۔ شعر میں جہاں صراحت کی ضرورت ہو وہاں ابہام یا گنجلک بیان عیب ہے۔ اس میں لفظ "منبر" حشو ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتاب اردو کی نعتیہ شاعری میں کچھ شعراء کے نعتیہ کلام کا انتخاب بھی کیا ہے۔ اس میں ایک کلام عارف عبدالمتین کا لکھا ہوا ہے۔ عارف عبدالمتین صاحب بھی جدیدیت پسند ہیں، وہ جدیدیت پسندی جو صرف ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ یہ کلام غزل کے فارم میں ہے۔ یہاں سب سے پہلے وہ پورا کلام نقل کیا جا رہا ہے۔

تری حدیث ترے روبرو سناؤں تجھے
یہ آرزو ہے کبھی آئینہ دکھاؤں تجھے

میں اپنی ذات کا غارِ حرا کروں تعمیر
بصد نیاز و عقیدت وہاں بلاؤں تجھے

مراد قار بھی تو ہو مری پناہ بھی تو
میں خود زمین بنوں آسماں بناؤں تجھے

مرے لئے تو تری یاد بھی محال ہوئی
کہ یاد کیلئے لازم ہے بھول جاؤں تجھے

غمِ جہاں غمِ جاں اور غمِ ورائے جہاں
میں کون کون سا زخمِ نہاں دکھاؤں تجھے

برس رہی ہے ترے رُخ کی چاندنی مجھ پر
قریب آ کہ میں سینے سے بھی لگاؤں تجھے

تو مجھ سے روٹھ مگر روٹھنے سے پہلے بتا
تو روٹھ جائے تو میں کسطرح مناؤں تجھے

یہ میرا شوق کہ میں تجھکو برملا دیکھوں یہ میرا رشک کہ میں خود سے بھی چھپاؤں تجھے

کہاں کہاں مجھے تیرے کرم کی حاجت ہے
تو جانتا ہے تو میں کس لئے سمجھاؤں تجھے

اوپر کے اشعار میں ردیف کا استعمال بہت نامناسب ہوا ہے۔ ہم نے نعت میں ضمیر کے استعمال پر اپنے پہلے مضمون میں پوری بحث کی ہے۔ مطلع میں آیئنہ دکھانے کا استعمال کیا ہے۔ آیئنہ دکھانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اپنے چہرے کے عیب کو دیکھ لے۔ " تری حدیث ترے روبرو سُناؤں تجھے " کا کیا مطلب ہے ؟ یہ بھی گستاخ آمیز کلمہ ہے۔

شعر نمبر ۳ لکھتے وقت یہ سوچنا چاہئے تھا کہ یہ زمین و آسمان بلکہ ساری کائنات جس کے طفیل ہے اور آسمان بھی جس کے علوّ مرتبہ کے آگے پست ہے شاعر اس کو آسمان بنانا چاہتا ہے۔ ع بدیں عقل و دانش بباید گریست

شعر نمبر ۶ میں بے خبری کا اظہار یوں ہے کہ شاعر نے جرأت نازیبا سے کام لیا ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس کو سینے سے لگالیں تو اسکی قسمت چمک جائے۔ اور یہ آپ کا لطف و کرم اور بے پایاں فضل ہوگا۔ جیساکہ آپ نے ایک غلام حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سینے سے لگاکر ان کے علوّ مرتبہ کو ظاہر کردیا تھا۔ شاعر کو سوچنا چاہئے تھا وہ آقائے دو عالم سے خطاب کر رہا ہے۔

شعر نمبر ۷ میں یوں کہنا کہ " تو مجھ سے روٹھ " نعتیہ کلام میں سخت نازیبا ہے۔ یہی حال شعر نمبر ۸ کا ہے۔ اشعار نمبر ۸، ۷، ۶ خالص تغزل کے اشعار ہیں جو رسول اکرم کی شان کے منافی ہیں۔

شاعر اگر سورۂ حجرات کی تفسیر پڑھ لیتا تو اسے کچھ اندازہ ہوتا کہ یہاں ادب کو کس طرح مدِّ نظر رکھنا چاہئے۔

اللطیف کے اسی شمارے میں ایک اور نعتیہ کلام ہے۔ اسکا مقطع یوں ہے:

مرے نوری پیا آ کر تو تجھ میں حق کو پاتا ہے
نبی ہے اور علی ہے اور ولی ہے یا رسول اللہ

یہاں ایک ہی ذات کو نبی، علی اور ولی سب کہدیا۔ اس کی کوئی تاویل بھی کردی جائے تو ردیف کے استعمال کی طرف توجہ نہ دینے کے سبب اس کی معنویت او جھل ہوگئی۔ یہاں ردیف سے یہ ظاہر ہورہا ہے کہ یہ ندا التجا کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اسطرح ہے جیسے کسی بے خبر کو آگاہ کر رہے ہوں۔

یہاں یہ مسئلہ قابلِ غور ہے کہ پیر کو نبی، علی، کہنا درست ہوگا کہ نہیں۔ اصل میں بعض وجودی صوفیہ جب مسئلہ وحدۃ الوجود پر بحث کرتے ہیں تو خدا، رسول، فرشتہ اور تمام اشیاء کو ایک کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ پھر وہ تعینات کی بھی بات کرتے ہیں اور اس طرح اس کی تاویل کرتے ہیں۔ مرزا غالب نے اپنے کو خدا کہنے کا طریقہ یوں اختیار کیا۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

یہ وجودی نقطۂ نظر ہے۔ اور اسی نقطۂ نظر سے تاویل کی ہے۔ کبھی یہ بات اس طرح بھی کسی نے کہی کہ اس میں دعویٰ پیدا ہوگیا۔ حسین بن منصور نے انا الحق کہا تو اس میں دعویٰ پیدا ہوگیا۔ لیکن یہ اس کا حال تھا۔ اس لئے خود اسکو تاویل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر دوسرے بغیر تاویل کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ فرعون نے بھی دعویٰ کیا لیکن یہ اس کا حال نہ تھا۔ اس لئے ملعون ہوگیا۔

وحدۃ الوجود کے باوجود تعینات میں ہر مرتبہ دوسرے مرتبہ سے الگ ہے۔ اسلئے مولانا جامی نے کہا کہ:-

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اسی نعت میں ایک شعر یوں ہے :-

بلا لو سوئے طیبہ اب کہاں تک ہند میں ٹھہروں
مدینہ علم کا تم، در علی ہے یا رسول اللہ

شاعر طیبہ اس لئے جانا چاہتا ہے کہ رسول علم کا مدینہ ہیں اور علی علم کا در ہیں۔ یہ دونوں باتیں الگ الگ دونوں مصرعوں میں درست ہیں۔ لیکن دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں پیدا ہو سکا۔

اس نعت سے صرف ایک شعر اور نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

ملے جس کو ہو تم اسکو یقیناً مل گیا سب کچھ
خدا اور خلق ساری مل گئی ہے یا رسول اللہ

جسے خدا اور رسول مل گیا اُسے دنیا والوں سے وحشت ہوتی ہے۔ اس کا دل مخلوق سے دُور بھاگتا ہے۔ وہ مخلوق کے درمیان رہ کر بھی ان میں مشغول نہیں ہوتا اور نہ یہ تمنا کرتا ہے کہ مخلوق اس کی حلقہ بگوش ہو۔ یہاں خدا کے ساتھ مخلوق کے ملنے پر اظہار شکر کرنا یہ معنی دیتا ہے کہ شاعر کی تمنا یہ دل میں تھی کہ مخلوق بھی اس کی حلقہ بگوش ہو جائے۔ لیکن جس کی یہ تمنا ہو گی اُسے نہ خدا ملے گا نہ رسول۔ وہ خدا سے دور ہی رہے گا۔ ایک دل میں یہ دو تمنائیں کبھی بار آور نہیں ہو سکتیں۔ مخلوق میں مشغولیت پراگندگیٔ خاطر کا سبب ہے حضرت نصیر الدین محمودؒ چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ جس کے پیچھے جتنے علایق ہوں گے اُتنا ہی وہ پراگندہ خاطر اور پریشان رہے گا۔ ان علایق سے پیدا ہونے والے خیالات نماز اور وظائف میں بھی مزاحم ہوں گے۔

سالنامہ اللطیف ایک مشہور و باوقار دینی درسگاہ کا ترجمان ہے اس کے مدیروں میں خود اس کے اساتذہ ہیں۔ اگر ان کی نگرانی میں اللطیف میں اس طرح کے کلام چھپتے رہے تو اس کا وقار ختم ہو جائے گا۔ اس سے لوگ ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اگر دین کا واسطہ نہ ہوتا تو میں ہرگز قلم نہ اُٹھاتا۔ لیکن قلم اُٹھانے کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ میں شروع ہی سے اللطیف سے وابستہ ہوں۔ اس کے متعلق آگے سطور میں عرض کرونگا یہاں نعت کا ذکر ہو رہا ہے۔ نعت لکھنے کا جب تک سلیقہ نہ ہو اور زبان و قلم پر جب تک قدرت نہ ہو اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شاعر اپنے حدود پر اگر خود نظر نہ رکھ سکے تو اس کو اس کی جُرأت نہ کرنا چاہیئے۔ جدیدیت پسند شاعروں سے بھی گذارش ہے کہ وہ نعت اور مذہبی موضوعات پر اس کو نہ آزمائیں شاعری کا بڑا میدان سامنے ہے۔ دوسرے موضوعات پر جو چاہیں لکھیں۔ مجھے کوئی تعارض نہ ہوگا۔ نعت لکھنے سے پہلے کم ازکم قرآن سے سورۂ حجرات کا ترجمہ پڑھ لیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب کے ادب کی کیا تعلیم دی ہے۔ عرفی جس کے بلندئ فکر کا اعتراف بڑے بڑے دانشوروں نے کیا ہے، ایک نعتیہ قصیدہ میں لکھتا ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

عرفی جلدبازی نہ کر، یہ رہِ نعت ہے۔ اس راہ پر چلنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اس لئے بہت احتیاط سے چل۔

شایستہ بدست آر کہ بپسند دریں شہر
شایستگیِ جنس چہ بسیار چہ کم را

یہاں بڑی احتیاط سے وہی زبان وبیان اور مضامین اختیار کر جو نعت کے لایق ہو کیونکہ یہاں صرف ایسی شایستگی کو دیکھتے ہیں خواہ کم لکھا جائے یا زیادہ۔

شاعر دوسروں کو زبان عطا کرتا ہے یعنی غیر شاعر کے دل کی بابت کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ مسلمان کے لئے رسول سے محبت فرض ہے۔ کتنا ہی بے عمل انسان ہو لیکن اپنے آقا و مولیٰ رؤف الرحیم کے نام کو سنتے ہی اس کا دل تعظیم سے جھک جاتا ہے۔ اس کے اندر بھی محبت کا جذبہ کبھی نہ کبھی ضرور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ اسے اپنے الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا۔ ایسی حالت میں یہ صورت بہت اچھی ہے کہ وہ دوسرے اچھے معتبر شاعروں کے نعتیہ اشعار پڑھ کر اور سن کر اپنے جذبہ کی تسکین کا سامان فراہم کر لے ورنہ بزعم خود اگر اُسے دعوائے شاعری ہو اور نعت کے آداب سے بے خبر ہو یا زبان و بیان کے محاسن و معائب پر نظر نہ رکھتا ہو اور فصاحت و بلاغت کے معانی سے بے خبر ہو تو اس پر علامہ جلال الدین دوانی کا یہ شعر صادق آئے گا۔

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند

درجہل مرکب ابد الدہر بماند

اس مضمون میں **اللطیف** کا ذکر کرنا ضروری تھا کیونکہ اس ساری بحث کا منبع اللطیف ہی ہے۔ حضرت مکان، مدرسہ لطیفیہ اور اللطیف سے جنوبی ہند کے لوگ عام طور سے واقف ہیں۔ لیکن شمال میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اس لئے اگر یہاں اللطیف کا بھی ضروری تعارف نہ کرایا جائے تو مضمون تشنہ رہے گا۔

دار العلوم لطیفیہ ویلور میں ایک قدیم دینی درسگاہ ہے، جہاں سے علم دین حاصل کر کے لوگوں نے پورے جنوب ہند میں دینی علوم کو پھیلایا اور دوسرے حصوں میں دینی مدرسے قائم کئے۔ دار العلوم لطیفیہ جس مکان میں واقع

ہے اس کا نام عرف عام میں حضرت مکان ہے ۔ خانوادۂ حضرت مکان میں یکے بعد دیگرے کئی نسلوں تک ولی ابن ولی ابن ولی ہوتے رہے ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک اپنے وقت میں نابغۂ روزگار تھے اور تصوف کی بلند پایہ کتابوں کے مصنّف بھی ۔ یہ سب اقطاب ویلور کے نام سے مشہور رہیں ۔ دار العلوم لطیفیہ انھیں بزرگوں کی کوششوں کا ثمرہ ہے ۔ آخر میں یہاں معروف بہ حضرت پیر نے اللطیف نام کا ایک سالنامہ نکالنا بھی شروع کیا جس کے دو بنیادی مقصد ہیں ۔ ایک تو یہ کہ مدرسہ لطیفیہ کے طالب علموں میں تحریری لیاقت پیدا کرنا دوسرے اس میں خانوادۂ اقطاب ویلور کی علمی نگارشات کو جو کہ عربی اور فارسی میں ہیں اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کرنا ۔ تاکہ عام لوگ اس سے مستفید ہو سکیں ۔

اس مدرسہ کے طلبار کے مضامین اس میں شائع ہوتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ چونکہ ابھی وہ زیر تربیت ہوتے ہیں ، ان کی تحریروں میں نہ بڑا علمی وقار ہو سکتا ہے اور نہ وہ اہلِ قلم کی طرح پختگی سے لکھ سکتے ہیں ۔ لیکن اُن کی اِن کم معیار والی تحریروں کو شائع کرنا اللطیف کا بنیادی مقصد ہے تاکہ اُن کی تربیت اور حوصلہ افزائی ہو سکے ۔ یہی طریقۂ تعلیم ہے ۔

اقطاب ویلور نہ صرف بلند پایہ ولی تھے بلکہ اس کے ساتھ ان میں سے ہر ایک عارف بھی تھے ۔ یہ اُن کی تحریروں سے ظاہر ہے جن میں جواھر السلوک اور جواھر الحقایق کو امتیازی شان حاصل ہے ۔ ریاضت و مجاہدہ اور زہد و تقویٰ وغیرہ کے سبب بندہ پر فضل الٰہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنا ولی بنا لیتا ہے ۔ یہ ولایت خاصہ ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔ اور ولایت عامہ جو ہر مومن کے لئے ہے اس کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے ۔ اللہ ولی الذین

امنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور - لیکن عارف وہ صاحب ولایت ہے جو صاحب معرفت بھی ہوتا ہے - جو لوگ اللطیف میں جواہر السلوک اور جواہر الحقایق کا اردو ترجمہ پڑھتے ہوں گے اُن کو کچھ اندازہ ہو سکے گا معرفت کیا ہے؟ صوفی صفاتِ الٰہیہ سے موصوف ہوتا ہے - جس کے اندر جتنا زیادہ ان صفات کا ظہور ہوگا وہ اتنا ہی بڑا عارف ہوگا - صوفی کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ الصوفی ھو الموصوف بصفات اللہ سوی الوجوب والقدم (صوفی وہ ہے جو صفاتِ الٰہیہ سے موصوف ہو سوائے وجوب اور قدم کے) حدیث میں بھی ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ یعنی اپنے اندر اللہ کی صفات پیدا کرو - قرآن میں صبغۃ اللہ کہا گیا ہے اور کہا گیا کہ یہ رنگ کتنا اچھا ہے - رنگ سے مراد صفاتِ الٰہیہ ہیں -

حضرت قطب ویلور کی کتابیں تصوف کی وہ بلند پایہ کتابیں ہیں جو صوفیہ کی اعلیٰ ترین کتابوں کی صف میں آتی ہیں، مثلاً مثنوی مولانا روم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، لطائف اشرفی، مکتوبات وملفوظات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور امام غزالی کی تصانیف، البتہ ان میں سے ہر ایک کا رنگ جدا ہے - اور طرز جدا ہے، اس کا سبب ان کا اپنا طریقۂ تعلیم بھی ہے -

انھیں اقطاب ویلور میں ایک حضرت ذوقی بھی تھے جو شاعری میں وفور گوئی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے - فارسی شعراء میں وہ ایک ستون کی حیثیت رکھتے ہیں - افسوس ہے کہ ان کا سارا کلام محفوظ نہ رہ سکا - راقم نے ان کے کرم خوردہ قصاید بڑی دقّت نظر سے نقطوں اور شوشوں کی مدد سے پڑھکر ان کا ترجمہ کیا اور حواشی لکھے جو اللطیف میں بالاقساط شائع ہوتے رہے - اگر حضرت ذوقی کا کلام علامہ شبلی کے زمانے میں چھپا ہوتا اور ان تک پہنچا ہوتا تو یقیناً

ان کا تفصیلی ذکر شعر العجم میں ہوتا۔ اِس زمانے میں قدر دان نہ رہے۔ پھر بھی اللطیف میں ان نابغہ روزگار کی تحریروں کے اردو ترجمے شائع ہو کر لوگوں کے لئے تصوف کے متعلق معلومات کا ذریعہ بنتے ہیں جس سے کم از کم اتنا فائدہ تو ہوتا ہے کہ لوگ تصوف کی حقیقت سے کچھ نہ کچھ واقف ہو سکتے ہیں اور کچھ نہ کچھ صحیح و غلط میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ مولانا روم بہت پہلے متنبہ کر چکے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم صورت است
پس بہر دستے نباید داد دست

تجلیات پر چند دانشوروں کے تبصرے

پروفیسر سید محمد طلحہ رضوی برق، پی، ایچ، ڈی، ڈی لٹ
سجادہ نشین آستانۂ چشتیہ نظامیہ داناپور بہار

سنتے ہیں تیری نعت سرائی نے اے وحید
گلشن میں تجھ کو رشک عنادل بنا دیا

ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی، مخدومنا سلطان حضرت سیّد اشرف جہانگیر سمنانی قدس اللہ سرہ العزیز سے نسبتِ نسبی و روحانی رکھتے ہیں۔ اس خانوادۂ مقدس و دودمانِ گرامی کا کیا کہنا۔ دینیات و عرفانیات کی ایک دانش گاہِ عظیم جس سے فیوض و برکاتِ روحانی کا سلسلۂ لامتناہی جاری ہے۔ ہدایت و عرفان کی یہ دولت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدای بخشندہ۔ ؎

کل دیکھا تھا وحید اشرف کو اپنے اصلی روپ میں تھا
سر پر فقر کا تاج تھا اس کے، طبع مگر شاہانہ ہے

مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الشریف نے، جن پر جملہ سلاسلِ طریقت و تصوّف منتہی ہیں، فرمایا تھا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے خود کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا اور عرفانِ الٰہی کے لئے فرمانِ حق ہے وابتغوا الیہ الوسیلہ جس کے لئے اوّل تو اپنی ذات ہی ہے جسے فنا فی الشیخ کیا تو فنا فی الرسول کی منزل آئی اور فنا فی الرسول کے بعد فنا فی اللہ کی۔ یہی سلسلۂ سلسلۃ الذہب ؎

کرد ہر کہ ذاتِ مرشد را قبول
ہم خدا آید بذاتش ہم رسول (مولانا روم)

(جس نے مرشد کی ذات کو قبول کرلیا وہ رسول اور خدا دونوں کو پاگیا)

شاہ غلام نقشبند پھلواریؒ نے فرمایا تھا ؎

وہ سلام پڑھئے حسینؑ پر کہ بہشت جس کا صلہ ملے
یہ طلب تو اپنی طرف سے ہے یہ اُدھر سے دیکھئے کیا ملے
جو درِ حسینؑ پہ آگیا ہے یقین اس کو ملے علی
جو علی ملے تو نبی ملے جو نبی ملے تو خدا ملے

درود و سلام علیٰ خیر الانام و آلہ الکرام منظور و محبوبِ حق تعالیٰ ہے۔ وجہ تخلیقِ کائنات جانِ موجودات نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش تعریف و توصیف ہی کا نام نعتِ رسول ہے۔ قرآن حکیم میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف و محامد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں وہ اسی کو سزاوار ہے۔ انسان ضعیف البنیان کی کیا بساط کہ نعت لکھے۔

ثنا اُن کی اور اس عاجز بیاں سے

زباں اللہ کی لاؤں کہاں سے

تاہم نعت گوئی جو بزبان عرفیؔ شیرازی "آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را" کی مصداق ہے، جب فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاںؒ تک پہنچی تو انھوں نے علی الاعلان لکھا

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

اور اس رہِ نازک و پُرخطر میں اگر کسی رہنما کی تلاش ہے تو پھر برملا فرمایا

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو

نقشِ قدمِ حضرتِ حسّان بس ہے

یہ وہی حضرت حسّانؓ ہیں جن کی نعت پڑھنے کیلئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں منبر رکھواتے تھے، انھیں بلند جگہ پر بٹھاتے تھے۔ وہ حسّان جن کی مادری زبان عربی تھی جس میں قرآنِ حکیم کا نزول ہوا، جس میں سورۂ حجرات کی اولین آیات بطورِ وعید نازل ہوئیں کہ اے ایمان والو! بارگاہِ رسالت میں نادانستہ بھی سوءِ ادب کا کوئی پہلو سامنے نہ آئے۔ سہواً اگر تمہاری آواز بھی رسول کی آواز پر بلند ہو گئی تو نامۂ اعمال حبط کر دیئے جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو گا۔ خطرہ

حبطِ اعمال کی تلوار کے نیچے رہ کر ہی نعتِ نبی لکھنی ہوتی ہے۔ اس نعتیہ شاعری کی عظمت و مقبولیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و مدح میں حضرت روح القدس نعت گوئی میں مدد فرماتے ہیں۔ چنانچہ جبریل امین نے حضرت حسّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید فرمائی تھی۔ بخاری و مسلم کی حدیثِ صحیح ملاحظہ ہو:

"وعن البراء قال قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم قریظۃ لحسان اھج المشرکین فان جبریل معک وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لحسّان اجب عنّی اللّھم ایدہ بروح القدس" (متفق علیہ بخاری و مسلم)

اور ایک دوسری حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے،

"عن عائشۃ ... ویقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان اللہ یوید حسان بروح القدس مانافح اوفاخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (رواہ البخاری)

حق یہ ہے کہ حمد و نعت ہی لکھنے والے شعراء ہیں جن کا استثنار رب تعالیٰ نے سورۃ الشعراء میں الّا الّذین اٰمنوا وعملوا الصالحات سے فرمایا ہے ؎

فمحمّدنا ھو سیّدنا ⁂ والعز لنا باجابتہ

آقائے دوجہاں کی مدح و ثنا روزِ ازل سے ہے اور ابدالآباد جاری رہے گی۔ عہد نامہ ہائے عتیق و جدید یعنی توریت و انجیل نیز صحفِ قدیم میں بھی خالقِ کُل نے اپنے حبیب لبیب کی تعریف بیان فرمائی اور قرآنِ عظیم میں بھی۔

حضرت علی، حضرت کعب اور حضرت حسان رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرت فاطمہ اور حضرت عایشہ رضی اللہ عنہما وغیرہ سے چلتا ہوا یہ سلسلۂ نعتیہ عصرِ حاضر میں بھی فروغ پر ہے۔

فی الوقت اردو و فارسی کے نامور استاد، جیّد شاعر، صوفی صافی پیرِ طریقت جناب ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی کے نعتیہ کلام کا مسوّدہ مسمّیٰ بہ "تجلیات" میرے پیش نظر ہے۔ اسے میں جہاں سے دیکھ رہا ہوں "کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است"۔ اللہ وتر ویحب الوتر اسی لئے اللہ وحدہٗ لاشریک کے ۹۹ نام ہیں (اسمائے صفاتی) اور ایک اسم ذات بس اللہ ہے۔ وہ نام نامی اور اسم گرامی بھی جو کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ ہے ۹۹ اسمائے صفات ہی سے یاد کیا جاتا ہے۔ ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

محمد محمد محمد ؛ صلی اللہ علیہ وسلم

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی ست

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ مجموعۂ نعت وحید "تجلیات" میں بھی ۹۹ نعت پاک سے کم نہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔

جناب وحید اشرف فن شاعری پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ زبان وادب کے مسلّم الثبوت استاد اور عروض و قواعد کے ماہر نکتہ داں ہیں۔ موصوف اپنی تدریسی ذمہ داریوں سے بحیثیت پروفیسر و صدر شعبۂ اردو، فارسی، عربی مدارس یونیورسٹی، مدراس سبکدوش ہو چکے ہیں اور اب اتباع و پیروی

سلفِ صالحین میں گوشہ گیر و انزوا نشین ہو کر فیض بخشی، دینی و عرفانی اور خدمتِ علم و ادب میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

جذبۂ عشقِ رسول سے سرشار، آرزوئے حاضریِ بارگاہِ نبوی لئے آپ نعت سرا ہیں اور جذباتِ دروں کے اظہار پر پوری قدرت رکھتے ہوئے نہایت ہوش و گوش و بیداریِ شعور کے ساتھ نغمہ سنج ہیں۔ با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار ہمہ دم پیشِ نظر ہے۔

وحید کی نعتوں میں یہی وجہ ہے کہ شاعرانہ مضمون آفرینی، فکری بادیہ پیمائی اور تخیلاتی اُڑان کی بے سمتی نہیں ملے گی۔ ہاں جذبے کی گھلاوٹ، تصور کی پاکیزگی، تخیل کی لطافت، زبان کی صفائی و نفاست، بیان کی صداقت ضرور ملے گی۔

آپ کی نعتوں کی مروجہ ہیئت غزل ہی کی ہے مگر اس میں غزل کی پراگندگی و انتشار حتماً نہیں، ایک مہذب تسلسل، ایک مرتب اظہارِ خیال اور مؤثر پیوستگی ملے گی۔ تازگی و شگفتگی، شیرینی و دلنشینی، ذوق و شوق کی فراوانی اور زبانِ محبت کی جادو بیانی ملے گی۔

اردو کے شعری ادب کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اردو میں نعتیہ شاعری کو وہ اہمیت نہیں مل سکی جو کم از کم دانشوروں کی سطح پر ہندی شاعری میں بھگتی رس کو ملی اور جس کی وجہ سے سُور داس اور تُلسی داس شہرت کی بلندی پر پہنچے۔ وجہ ظاہر ہے کہ ہمارے اساتذۂ سخن نے نعت کے موضوع پر صرف تبرکاً ہی کچھ لکھا اور زینتِ دیوان کر لیا۔ یہی سبب ہے کہ نعتیہ شاعری کے لئے اُردو کے درسی نصاب میں کوئی جگہ ہنوز مخصوص نہیں کی جا سکی۔ نعتیں صرف مذہبی جلسوں میں مقبول رہیں اور چونکہ عوام میں

ادھی، بھوج پوری، مگھی، برج اور اکثر علاقائی زبانوں میں لکھنا اور ترنم سے پڑھنا زیادہ پسند کیا جاتا رہا، لہٰذا اس صنف کی فنّی باریکیوں اور اس کے اعلیٰ معیار پر پوری توجہ نہ رہی۔

خواجہ الطاف حسین حالیؔ کے مسدس "مدّ و جزرِ اسلام" میں جو نعتیہ بند شامل ہیں بہت دنوں تک وہ بے حد مقبول رہے اور میلاد کی محفلیں اور جلسے اس کی صدائے سحر انگیز سے گونجتے رہے۔ مگر مسدس کا موضوع چونکہ کچھ اور تھا لہٰذا اس طرف سے بھی اب توجہ ہٹ سی گئی ہے۔ قرن حاضر میں اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی کی نعتوں نے بیشک ادبی حلقوں میں بھی بڑی پذیرائی حاصل کی اور وہ اس لئے کہ زبان و بیان پر پوری دسترس و گرفت کے ساتھ اس میں سچے عاشقانہ جذبات کا والہانہ اظہار ہے جو راست دل پر اثرانداز ہوتا ہے۔

اچھی اور معیاری نعتوں کے لئے شاعری کا مزاج آشنا ہونا ضروری ہے وہ شاعری جس کی فنّی آرائش و زیبائش کے لئے استادانِ فن نے خونِ دل وجگر صرف کئے ہیں، اگر یہ خوبیاں نعت گو شاعر کو حاصل ہیں تو پھر اس کی اثر آفرینی کا کیا پوچھنا۔

جناب وحید اشرف باخبر زباندان اور وہبی شاعر ہیں۔ آپ کے نعتیہ کلام میں جذبہ و شعور کی وہ ہم آہنگی موجود ہے جسے ہم ساحری سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ میں اپنے معروضات کو تقویت دینے کیلئے ذیل میں کچھ منتخب اشعار "تجلیات" سے پیش کرتا ہوں۔ اس میں تصور کی رعنائیاں بھی ملیں گی، فکر و تخیل کی شادابیاں بھی اور زبان و بیان کی خوش ادائیاں بھی ؎

ذکر ہے آپ کا رفع اعلیٰ نظروں میں ہے عرشِ معلّیٰ
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ آیۂ عظمت آپ کے نام

وہ قیصر و کسریٰ کے تصوّر میں نہیں ہے
مومن کو جو راحت ہے مدینے کی گلی میں

داغہائے عشقِ احمد کے کرشمے دیکھئے
قبر میں جاتے ہی سب کے سب چراغاں ہو گئے

پہنچ کے طیبہ مرے دل نے مری جاں سے کہا
نثار ہو جا کہ یہ جاں ہے جانِ جاں کے لئے

کوئی راحت ہی نہیں عشقِ نبی سے بڑھ کر
انکا عاشق نہیں جنت میں ہے جنّت کے بغیر

فرشتے حشر میں یوں بول اٹھیں دیکھکر مجھکو
وہ دیکھو آگیا شیدا تمہارا یارسول اللہ

دمِ پرسش نکیروں سے بس اتنا آپ فرمادیں
اسے چھوڑو یہ ہے عاشق ہمارا یارسول اللہ

برجستہ گوئی، سہل ممتنع اور محاکات کا یہ انداز کم دیکھنے میں آتا ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب شعور وادراک اور جذبہ و فکر، قلب و روح سے آمیز ہو جائیں۔

مندرجہ آخری دو شعر پڑھ کر مجھے بی بی محمودہ مجلبی قادری کے یہ اشعار یاد آگئے:

ہے غل محشر میں ہمراہ قتیل آئی جو محمودہ
کنیزِ مصطفیٰ آئی غلامِ مصطفیٰ آیا

قبر ہو حشر ہو، کچھ بھی ہو مگر محمودہ
پھر نہیں خیر اگر ان کی عنایت نہ ہوئی

بچپن ہی سے میلاد کی محفلوں میں یہ شعر سنتا آیا ہوں:

دکھادے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولیٰ تری رحمت برستی ہے

یہی دراصل ہر مومن اور عاشقِ رسول کے دل کی دھڑکن ہے، کس خوبی سے اس جذبے کی ترجمانی جناب وحید فرماتے ہیں ؎

الٰہی تو دکھادے وہ حبیبِ پاک کا روضہ
جہاں دن رات رہتی ہیں گھٹائیں تیری رحمت کی

اہلِ نظر اور صاحبِ بصیرت ان مؤثر ترین شعروں کے باریک فرق کو سمجھ سکتے ہیں کہ کیف و اثر کس طرح افزوں و دوبالا ہوتا ہے[۱]

محاکات (تصویریت) ایک معروف صنعت شعری ہے۔ لفظوں میں جان ڈال دینا کہ وہ صورت متحرک بن جائے بڑا کمال ہے۔ ملاحظہ ہو جناب وحید کس خوبی سے لکھتے ہیں:

راہ میں جب چلا مدینے سے — بیٹھ جاتا ہے ہر قدم پہ وحید

لذتِ یادِ نبی سے کیسا جی جاتا ہے دل — جان لے لیتا ہے جب حرماں نصیبی کا خیال

---

[۱] مقدمہ نگار نے قاری کو صرف ان شعروں کے فرق کی طرف متوجہ کر دیا ہے لیکن خود فرق کی وضاحت کرنے کے بجائے قاری کے ذوق پر چھوڑ دیا ہے۔ دراصل پہلے شعر سے رحمت برسنے پر استعجاب ظاہر ہوتا ہے لیکن دوسرے شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کوئی تعجب نہیں کیونکہ اللہ کے حبیب کے روضے پر اللہ کی رحمت برسنا ہی چاہیئے اسلئے اس رحمت برسنے کے اظہار کے ساتھ اس کے دیدار کی خواہش کا اظہار بھی ہے۔۔۔ (وحید اشرف)

ذہن رسا کی نکتہ آفرینی دیکھئے۔ اس حسین و بلیغ توجیہ کا جواب نہیں :

ہے سایۂ رحمت میں نہاں سایۂ قامت
سایہ نہ ہوا سایۂ رحمت کے اثر سے

ہے شبِ قدر نہاں وہ بھی برس میں اک بار
قدرِ ہر شب ہے عیاں گر کرو سرکار کی بات

صنعت سہل ممتنع بظاہر سہل معلوم ہوتی ہے مگر حقیقتہً بہت مشکل ہے خود وحید فرماتے ہیں :

شاعری سہل ممتنع میں وحید — کام آساں نہیں ہے مشکل ہے

مگر اس مشکل پر انھوں نے کیسا قابو پالیا ہے، ملاحظہ ہو۔ یہ اُنکی فنکارانہ استادی کی دلیل ہے ؎

ان کی مرضی مرضیِ حق ہے — اُن کا محب رب کا مقبول
مہر و ماہ ہیں اُن پہ قرباں — کہکشاں اُنکے پاؤں کی دھول
گالی کھا کے دعائیں دینا — کانٹوں کے بدلے میں پھول

جو حبیبِ خدا پہ مِٹ جائے — بیشک ایمان میں وہ کامل ہے
دل میں حبِ نبی نہیں ہے اگر — دل نہیں ہے وہ تودۂ گِل ہے
میں تو خود اپنے دل پہ مائل ہوں — دل مرا شاہِ دیں پہ مائل ہے

ڈاکٹر وحید اشرف کی فارسی دانی بھی مسلّم ہے۔ فارسی زبان و ادبیات پر آپ بڑی وسیع نظر رکھتے ہیں۔ فارسی زبان میں بے تکلف اشعار کہتے ہیں۔ اُن کا

باضابطہ نعتیہ قصیدہ جو آپ کی استادانہ مہارت اور فنکارانہ سطوت کا حامل ہے محلہ دانش پاکستان میں چھپ کر اہلِ زبان سے خراجِ تحسین لے چکا ہے - اردو اشعار میں فارسی زبان کی حسن کاری دیکھئے :

قرباں ہے دل اس پر یہ ہے وہ غم ہیچ اس کے آگے سیم و درم
دل می رقصد من ہم رقصم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم

سُن کر ترے اشعار وحید آتا ہے دل میں
ہر شعر ترا درس بہ دل داشتنی ہے

اس بیش قیمت نعتیہ مجموعہ میں ایک منظوم و طویل میلادنامہ بھی ہے خوش آہنگ و مترنم - یہ یقیناً ایک خاصے کی چیز ہے، فکری، تاریخی، اسلامی اور تعمیری - یہ میلادنامہ پورے ارتقائی شان کے ساتھ طلوعِ اسلام کے پس منظر کی نشاندہی کرتا ہوا طلوع خورشید رسالت کا مصوّر سماں پیش کرتا ہے - قصیدے کا زورِ بیان اپنے کمال پر ہے - آخری شعر سے اس کی روحِ رواں کا اندازہ کیجئے :-

ہے آدمیت کی شان اُن سے جہاں میں حق کا نشان اُن سے
اُنھیں سے دنیا میں بھی اماں ہے انھیں سے عقبیٰ میں بھی اماں ہے

اس قصیدے کی بڑی خوبی زبان کی سادگی، صفائی، روانی، اور دلنشینی ہے - نہ گنجلک، نہ طمطراق، نہ اضافت در اضافت کا بوجھل پن، نہ ثقیل وادق الفاظ - رواں دواں اشعار ایک سیل سبک سیر کی طرح بڑھے جاتے ہیں اور قاری مؤثر ترین بیان کا اسیر رہتا ہے -

نعتیہ نظم بعنوان" درود تم پر سلام تم پر" عجیب کیف پرور و وجد آفرین ہے سے

خدا کے محبوب دیں کے سرور درود تم پر سلام تم پر
شفیع روز جزاے محشر درود تم پر سلام تم پر

وحید بیکس بھی ہے تمہارا تمہیں سے رکھتا ہے یہ سہارا
بلالو اسکو اب اپنے در پر درود تم پر سلام تم پر

ہے کوئی جو کہہ دے یہ میرے دل کی آواز نہیں ؟ یہ سچا خلوص ، بے پناہ ہمہ گیری وحید کی نمایاں خصوصیت ہے۔

آخر میں تجلیات سے اپنے پسندیدہ ترین اشعار کا ایک مختصر انتخاب پیش کرتا ہوں جو پُرخلوص جذبات کی زندگی و تابناکی کے مظہر ہیں :

سچ ہے ایماں کی کسوٹی ہے فقط حبِ رسول
حیف ہے پڑھ کے جو کلمہ بھی مسلماں نہ ہوا

جنت بھی ہے گلزار مدینہ بھی ہے گلزار
گلزارِ محبت ہے یہ گلزارِ مدینہ

نورِ مہرِ رحمت اللعالمیں کے فیض سے
خاک کے ذرّے بھی رشکِ ماہِ تاباں ہو گئے

یادِ نبی کی جوت جگا دُلے کے ہدایت کی مشعل پھر دیکھو سنسار یہ سارا جگمگ جگمگ جگمگ ہے

سال و مہ و روز و شب و مہر و مہ و انجم
قوس و قزح و کاہکشاں آپ کی خاطر

ایماں کے لئے شرط محبت ہے نبی کی
بتلاتی ہیں قرآن کی آیاتِ کریمہ

حدِ ادراک سے بالا ہے انساں کے کیا تم ہو
کروں اوصاف میں جتنے رقم اُن سے سوا تم ہو
فلک تابع زمیں محکوم مہر و ماہ فرمانبر
دلیلِ آیۂ توحید و شانِ کبریا تم ہو
خلایق میں تمہارا مثل کوئی ہو نہیں سکتا
جو اعلیٰ سب سے ہے عالم میں وہ بعدِ خدا تم ہو

یہ وظیفہ رب کا حُسن سہی یہ ہے حکمِ ربِّ قدیر بھی
صلوا علیہ و آلہٖ تری ساری نیکی قبول ہے

وہ ہیں شافعِ روزِ جزا تجھے خوفِ حشر ہو کیوں بھلا
ولسوف یعطیک ربک تو پڑھ اسکی شانِ نزول ہے

تو وحید فکر نہ کر ذرا ، ترا اشرفیہؒ ہے سلسلہ
یہاں قادریہؒ و چشتیہ کی عنایتوں کا نزول ہے

اللہ نے مٹادیا میرے گناہ کو   نام رسولِ پاک کا جب واسطہ دیا

کوئی عمل دکھانے کو پاس نہ تھا بروزِ حشر
دل تھا نبی کا شیفتہ فورًا اسے دکھا دیا

عفو و عطا و حلم و سخا و حکم شفاعت آپ کے نام
جن و بشر کیا حور و ملک کیا خلق پہ رحمت آپ کے نام

نعت لکھنے کا ہنر شرط دگر مانگے ہے ؎ عشق اور روشنیِ قلب و نظر مانگے ہے

مختصر یہ کہ ڈاکٹر وحید اشرف نے صد درجہ احتیاط و ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے نعتیہ اشعار میں اپنے جذبات و کیفیاتِ دروں کا اظہار سادگی و پُرکاری کے ساتھ کیا ہے۔ موصوف کے کلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ کی نعتیں شاعرانہ غلو اور مبالغہ آرائیوں سے یکسر پاک و صاف ہیں۔

میری دعا ہے یہ نعتیہ مجموعہ دربارِ رسول میں بھی قبول ہو اور بارگاہِ الٰہی میں بھی۔ آمین ثم آمین...

حافظ اگر قدم زنی در رہِ خاندانِ عشق
بدرقۂ رہت شود ہمّتِ شحنۂ نجف

برقی اعظمی
۲/شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

مطبوعہ قومی آواز لکھنؤ
سنڈے ایڈیشن
۱۵ دسمبر ۱۹۹۷

ڈاکٹر سید وحید اشرف کی نعتیہ شاعری

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (بہار یونیورسٹی مظفر پور)

ڈاکٹر سید وحید اشرف کا تعلق اس دودمان باوقار سے ہے جہاں علم، تصوف اور شاعری کا چرچا ہر دور میں رہا ہے۔ وہاں کے بزرگوں نے ان تینوں میدانوں میں جو نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں وہ ہماری مذہبی، روحانی، اور ادبی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔ ڈاکٹر وحید اشرف اسی علمی، ادبی، اور روحانی ماحول کے جوہر قابل ہیں۔ علم، تصوف اور شاعری کی تثلیث آپ کو ورثہ کے طور پر ملی ہے اور عشق رسول کی وہ آگ جو آپ کے مورث اعلیٰ مخدوم جہاں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کے دل میں پیدا ہوئی اور وہاں سے ان کے سچے جانشین حضرت سید عبدالرزاق نورالعین تک پہنچی وہ نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی ہوئی ڈاکٹر سید وحید اشرف کے دل میں روشنی اور گرمی عطا کر گئی اور جس کا نتیجہ ان کی نعتوں کا مجموعہ تجلیات ہے جس کا ایک ایک شعر محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہے اور جس سے کشت ایمان زعفران زار ہے۔

اس میں تو کسی مسلمان کو شبہ نہیں کہ حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی بنیادی شرط ہے اور نعتِ نبی اسی جذبہ کا پاکیزہ اظہار ہے۔ اب یہ اظہار جتنا

والہانہ اور مخلصانہ ہوگا کلام میں اسی قدر جذب و تاثیر کی کیفیت پیدا ہوگی - اور حضور آیۂ رحمت کی بارگاہ میں پذیرائی ہوگی لیکن یہ دولت آسانی سے ہاتھ نہیں آتی اس کے حصول کیلئے جذب صادق اور خامۂ ہشیار لازمی شرطیں ہیں - خود ڈاکٹر وحید اشرف کو اس کا احساس ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

نعت لکھنے کا ہنر شرط دگر مانگے ہے
عشق اور روشنیِ قلب و نظر مانگے ہے
قلب خامہ سے طلبگار اثر لفظ میں ہے
لفظ خامہ سے مگر زور و اثر مانگے ہے

مجھے خوشی ہے کہ موصوف نے یہ شرطیں پوری کی ہیں ، انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہی ان کی زندگی ہے یعنی ان کا قال حال ہے اور ان کا حال قال ہے - جب تک دل عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بریاں نہ ہو اس وقت تک ایسے اشعارِ پُر کار فکر میں ڈھل ہی نہیں سکتے ؎

مرے دفترِ عمل کو تو نہ دیکھ یا الٰہی !!
مرا دل ہے راکھ جل کے یہ جگر ہے خوں پگھل کے

دِل نہیں گِل ہے اگر عشق میں بریاں نہ ہوا
خاک ہے خاک اگر آدمی انساں نہ ہوا

روضۂ شاہِ مدینہ پہ پہنچ کر اے دل
مثل پروانہ وہیں جل کے فنا ہو جاتا

نبی کا عشق ضروری ہے زندگی کے لئے
یہ آگ وہ ہے جو ہے دل کی روشنی کیلئے

عشق رسول ہو نہ تو جینا فضول ہے
جینا اسی کا ہے جسے عشقِ رسول ہے

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دماغ کی شاعری نہیں۔ دل سے نکلی ہوئی آواز ہے اور اسی لئے دل میں گرمی اور روح میں اہتزاز پیدا کرتی ہے۔

تجلیات کے مقدمہ میں صفحہ ۷ پر پروفیسر طلحہ رضوی برق نے نعت کی ادبی حیثیت کے سلسلے میں بڑی اہم بحث اٹھائی ہے۔ وہ یہ کہ نعت گوئی کو ہر دور میں خیر و برکت کی چیز تو سمجھا گیا مگر اس کے ادبی محاسن اور فنی لوازم کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صنف سخن کی حیثیت سے اس کو وہ مقام نہ مل سکا جو ہندی شاعری میں بھگتی رس کو حاصل ہے۔ مجھے ڈاکٹر صاحب موصوف کے خیال سے صد در صد اتفاق ہے۔ یقیناً یہ اردو تنقید کا المیہ ہے کہ اس نے صنف نعت کی طرف سے ہمیشہ مجرمانہ چشم پوشی کی ہے۔ حالؔی سے لے کر کلیم الدین احمد تک کسی نے اس کو لائقِ اعتنا نہیں سمجھا جب کہ شعر و قصائد کے دفتر اور ہجویات تک پر خوب خوب خامہ فرسائیاں کی گئیں اور ان کے فنی محاسن کو اجاگر کیا گیا۔ جب کہ نعتیں ہر دور میں لکھی گئی ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے اپنے دیوان و کلیات کو نعتِ رسول کی خوشبو سے نہ بسایا ہو۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ یہ صنفِ لطیف مرثیہ سے بھی کہیں زیادہ توجہ کی مستحق ہے کیونکہ اس کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع اور بیکراں ہے۔

اردو ناقدین سے ہماری درخواست ہے کہ جن خوش نصیب شاعروں نے نعت گوئی میں خصوصی دلچسپی لی، کم از کم ان کے کلام کے ادبی و فنی محاسن کا منصفانہ جائزہ لے کر نعت کی صنفی اہمیت متعین کرنے میں پہل کریں۔ ان شاعروں میں حضرت محسن کاکوروی، بیدم وارثی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، حسن رضا خاں بریلوی، حمید صدیقی لکھنوی، سید محمد محدث کچھوچھوی اور حضرت قتیل داناپوری وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ موجودہ اردو تنقید نے اگر سجدۂ سہو کر لیا تو اس کے سر سے ایک بڑا الزام ٹل جائے گا۔

زیر نظر کتاب "تجلیات" کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے کہ یہ محض عقیدت و محبت کی شاعری نہیں، فکر منظوم کا نمونہ نہیں، بلکہ یہ شعری لطافتوں اور فنی دل آویزیوں سے آراستہ اور مزین ہے اور اس میں وہ ساری خوبیاں موجود ہیں جو صنف نعت کو ادبی حیثیت ادا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر "تجلیات" کے یہ چند شعریت بداماں اشعار دیکھئے۔

واغہائے عشق احمد کا کرشمہ دیکھئے!
قبریں جاتے ہی سب کے سب چراغاں ہو گئے

جب تبسم ریز ان کے لب ہوئے تو جا بجا
گل بنے، گوہر بنے، لعلِ بدخشاں ہو گئے

ہے گمان و وہم سے بھی نہاں وہ ضیائے حسنِ رسول ہے
یہ جو آسماں پہ ہے کہکشاں، شہِ دیں کے پاؤں کی دھول ہے

جو بندۂ مومن راتوں کو اشکوں سے وضو کا عادی ہے
سونا بھی مٹی ہے اس کو، ذرّے کے برابر موتی ہے

تصویر درد، کیفیت شعلۂ سوز عشق
سب کو بہم کیا تو یہ اک دل بنا دیا

اے صبا باغ میں ہے رقص ترا بے معنی
کوچۂ طیبہ میں جا دیکھ کہ کیا ملتا ہے

جنّت بھی ہے گلزار مدینہ بھی ہے گلزار
گلزار محبّت ہے یہ گلزارِ مدینہ

سال و مہ و روز و شب و مہر و مہ و انجم
قوسِ قزح و کاہکشاں آپ کی خاطر

قبر میں جب شبِ تاریک کا منظر ہوگا
داغِ عشقِ نبی اس وقت منور ہوگا

آسماں پر جو چمک جاتا ہے بن کر تارا
قطرۂ اشک مرے دیدۂ نمناک سے ہے

کوچۂ طیبہ کے ذرّوں سے ہے تاروں میں چمک
کہکشاں چرخ پہ اسکے خس وخاشاک سے ہے

میں نے مُشتے نمونہ از خروارے کے طور پر محض چند اشعار نقل کئے ہیں ورنہ ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوے لالہ۔

ڈاکٹر وحید اشرف کی نعتوں میں وہ طرزِ تغزل بھی ملتا ہے جس نے زبان وبیان میں شگفتگی و رعنائی پیدا کر دی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی لالہ زار کی سیر کر رہے ہیں۔

غمِ زندگی کا ساتھی غمِ یار اگر نہ ہوتا
تو سکوں میسّر اے دل تجھے عمر بھر نہ ہوتا

میں نثار اپنے دل پر جو یہ تیرا گھر نہ ہوتا
تو فلک پہ فخر سے یوں مرا آج سر نہ ہوتا

ترے عاشقوں کو ملتا کہاں چین اس جہاں میں
جو انھیں جھکانے کو دل ترا سنگِ در نہ ہوتا

آج لگتا ہے یہ قرینے سے
لائی ہے کچھ صبا مدینے سے
ساتھ یہ حاجیوں کے آئی ہے
چل رہی ہے یہ کس قرینے سے

عشقِ رسول ہو نہ تو جینا فضول ہے
جینا اسی کا ہے جسے عشقِ رسول ہے

روشن ہیں مہر و ماہ ضیائے رسول سے
یہ کہکشاں بھی نعل مبارک کی دھول ہے

اب سر ہے اور اس کی منزل
اب شمع ہے اور پروانۂ دل
کرنے کو فدا جاں ہے بسمل
اے عقل ترا اب کام نہیں

وحید صاحب کی نعت گوئی کا ایک دلکش پہلو یہ ہے کہ انکے یہاں ایسے اشعار بھی ہیں جو نعت سے بھی جڑے ہوئے ہیں اور ان میں زندگی کے ایسے تجربات اور کچھ ایسے حقائق بھی ہیں جو عقیدے سے ہٹ کر بھی سب کے لئے قابلِ قبول ہیں مثال کے طور پر:۔

ہم نے دیکھا ہے یہی اور یہی دیکھتے ہیں
عقل کے دور میں بھی آدمی انساں نہ ہوا

زمیں سے فتنے مٹ جائیں جہاں میں امن قائم ہو
حقیقت میں اگر یہ آدمی انسان ہو جائے

جیسے کہ نہیں ہے کوئی اب زیست کا مقصد
پیمانۂ حق اب نہیں، پیماں شکنی ہے

وہ آدمی نہیں جس سے ہو آدمی کو ضرر
وہ آدمی ہے جو کام آئے آدمی کے لئے

دل نہیں رکھی ہے اگر عشق میں بریاں نہ ہوا
خاک ہے خاک اگر آدمی انساں نہ ہوا

وہ نعتیں جو چھوٹی بحریں میں کہی گئی ہیں ان میں بالعموم بڑی صفائی، روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ نغمگی اور ترنم اس پر مستزاد ہے۔ ہر جگہ آمد ہی آمد کا رنگ ہے اور خیالات میں وہ بہاؤ ہے جو کسی خوبصورت نرم سیر دریا میں ہوتا ہے۔ ارباب نظر فیصلہ کریں یہ شاعری ہے یا الہام۔

آج لگتا ہے یہ قرینے سے — لائی ہے کچھ صبا مدینے سے
ساتھ یہ حاجیوں کے آئی ہے — چل رہی ہے یہ کس قرینے سے

اپنے آقا کا نگر یاد آیا — پھر مدینے کا سفر یاد آیا
مجھکو روضے کی ہوا یاد آئی — مجھکو بُلبل گلِ تر یاد آیا
قدم ناز پہ کرنے کو نثار — دل کبھی اور کبھی سر یاد آیا

کتنے پیارے ہمارے رسول — کتنے اچھے ان کے اصول
کام ان کے سارے ہیں نیک — باتیں ان کی سب معقول

نام طیبہ بھی کتنا پیارا ہے — سارے سنسار میں وہ نیارا ہے
خواب گاہِ شہِ دو عالم ہے — عرش کی آنکھ کا وہ تارا ہے

زبان و بیان میں یہ لطف و دلکشی ڈاکٹر وحید اشرف کا کمال نہیں بلکہ یہ سرکار ابد قرار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاص عنایت اور کرم ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

اپنا جب زور قلم یاد آیا　　اس پہ ان کا ہی کرم یاد آیا

اور جب ان کا کرم ہے تو ویرانوں میں بھی پھول کھل سکتے ہیں۔ چنانچہ اشرف صاحب نے بعض مشکل زمینوں، قافیوں، اور ردیفوں کو بڑی کامیابی اور فنی چابکدستی کے ساتھ نبھایا ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل مطلعوں سے شروع ہونے والی نعتیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

یہ ہے سرزمین طیبہ یہاں دل ذرا سنبھل کے
یہاں سانس لینا ہلکی، یہاں پاؤں رکھنا ہلکے

زیست بے سود ہے سرکار کی الفت کے بغیر
خلد اک خواب ہے آقا کی محبّت کے بغیر

عشق نبی کے سوا کوئی نہیں چارہ ساز
عشق نبی جس کا کام اس کا خدا کارساز

دل میں محبوب خدا دل ہو مدینے سے قریب
یہ ہے وہ نسخۂ جاں بخش جو ہے سب سے عجیب

پھر دل میں، ہجر کا اٹھا غم، پھر درد اٹھا مدھم مدھم
پھر آیا برکھا کا موسم، برسے آنسو رم جھم رم جھم

شاہ مدینہ کی گدائی میں ہے رازِ سروری
وہ سروری ہے جسکے آگے، ہیچ شانِ قیصری

آخر میں عرض کرنا چاہوں گا کہ ڈاکٹر وحید اشرف کی نعتیہ شاعری نہ تو مشاعروں کی واہ واہ کے لئے ہے، نہ خانقاہوں کی آہ آہ کیلئے۔ بلکہ یہ ان کے جذبۂ بے اختیار شوق کی پیداوار ہے۔ اسی لئے اس میں از دل خیزد بر دل ریزد کی شان پائی جاتی ہے۔ نعت گوئی ان کے نزدیک عبادت سے کم نہیں۔ اس لئے اس مقدس وظیفہ اور نورانی مشغلہ کو وہ عمل تنفس کی طرح ناگزیر سمجھتے ہیں اور اس کے فیض سے وہ گلشن میں رشک عنادل بن گئے ہیں: ؎

سنتے ہیں تری نعت سرائی نے اے وحید
گلشن میں تجھکو رشکِ عنادل بنا دیا

مولانا عبدالہادی خاں کاوش رامپوری

مطبوعہ ماہنامہ ضیائے وجیہہ دسمبر ۱۹۹۹ء

یوں تو اردو اور فارسی کے ہر شاعر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی شان میں نعت گوئی کی ہے اور بہت سے نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن خانقاہِ نیازیہ کے چوتھے سجادہ نشین حضرت شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں صاحب رازؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

بھلا وصفِ سرکار اور اہلِ ظاہر
بتائیں گے یہ اہلِ باطن وہ کیا ہیں

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کا ادراک بغیر عشق حقیقی کے حاصل نہیں ہو سکتا اور یہ عشق حقیقی کسی مردِ کامل کے فیضان ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بالفاظ دگر بغیر علم تصوف کے نہ عشق حقیقی حاصل ہوتا ہے اور نہ ذات رسول کی معرفت۔

خدا کے فضل و کرم سے علامہ سید وحید اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھوی کو حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ العزیز سے نسبت نسبی و روحانی حاصل ہے اور اسی نسبت روحانی و نسبی کا فیض ہے کہ ڈاکٹر سید وحید اشرف نے تصوف پر متعدد

مضامین تحریر فرمائے ہیں جو ایک مجموعہ کی شکل میں تصوف کے نام سے شائع ہو چکے ہیں اور اب آپ کی نعتوں کا مجموعہ مسمیٰ بہ تجلیات زیر تبصرہ ہے۔

ڈاکٹر سید وحید اشرف نہ صرف اردو فارسی کے ایک مستند استاد اور پروفیسر ہیں بلکہ ایک کہنہ مشق شاعر اور عاشقِ رسول بھی ہیں۔ آپ کے نعتیہ مجموعہ تجلیات کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بادۂ عشقِ محمدی سے سرشار ہیں اور والہانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

عشقِ شاہِ دو جہاں زندگی کا حاصل ہے
مومنِ کامل ہے وہ عشق میں جو کامل ہے

ڈاکٹر وحید اشرف کے کلام میں شاعرانہ مضمون آفرینی، تصور کی پاکیزگی، تخیل کی لطافت، زبان کی سلاست اور روانی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

وہ ہیں شمع بزم امکاں دل اُن پر نہ کروں کیوں قرباں
دل کی دنیا اُن سے تاباں شمع وہ یہ پروانہ ہے

کل دیکھا تھا وحید اشرف کو اپنے اصلی روپ میں تھا
سر پر فقر کا تاج تھا اس کے طبع مگر شاہانہ ہے

نکتہ آفرینی اور تخیل کی پرواز بھی ڈاکٹر وحید اشرف کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ہے سایۂ رحمت میں نہاں سایۂ قامت
سایہ نہ ہوا سایۂ رحمت کے اثر سے

لذتِ دردِ عشق ہے راحتِ جان و عیشِ دل
بندۂ عشق ہوتا ہے دونوں جہاں سے بے نیاز

رات وہ رات جسے کہتے ہیں معراج کی رات
حاصلِ کارگہِ گردشِ افلاک سے ہے

ڈاکٹر وحید اشرف نے مجموعہ تجلیات میں متعدد رباعیات اور ایک منظوم طویل میلاد نامہ بھی شامل کیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

بساط کونین کی سجی تھی بس اس میں اک روح کی کمی تھی
زمیں ہدایت کی منتظر تھی عجیب چکّر میں آسماں تھا
وہ وقتِ مسعود آگیا ہے کہ نکہت و نور کا سماں ہے
یہ ماہِ مولود آگیا ہے خوشی میں محو آج آسماں ہے

الغرض ڈاکٹر وحید اشرف کا یہ نعتیہ مجموعہ تجلّیات نعت گوئی کے فن میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔

منتخب اشعار

جان لے لیتا ہے جب حرماں نصیبی کا خیال
لذّتِ یادِ نبی سے کیسا جی جاتا ہے دل

میں نثار اپنے دل پہ جو یہ تیرا گھر نہ ہوتا
تو فلک پہ فخر سے یوں مرا آج سر نہ ہوتا

حوصلے دل سے نکلنے کے ہیں ارماں کیا کیا
سامنے جب مرے سرکار کا روضہ ہوگا

جان دے دُنیا شہِ دیں پہ بڑی بات نہیں
قیمتِ جاں نہ تھی کچھ اُن کی محبّت کے بغیر

بیٹھ جاتا ہے ہر قدم پہ وحیدؔ ٭ راہ میں جب چلا مدینے سے

ایسے کو پایا میں نے کہ ویسا نہیں کوئی
اب اسکے بعد دل میں تمنا نہیں کوئی

یہ فخر ہے گدائے شہِ دو جہاں ہوں میں ؛ اب غم نہیں ہے یہ کہ ہے میرا نہیں کوئی

میں بتاؤں کہ ہے کیا حدِّ عروجِ مؤمن ؛ شاہِ کونین کا نقشِ کفِ پا ہو جانا

دل ہے بیمار اگر اُس میں نہیں حُبِّ نبی ؛ دل میں اس درد کا ہونا ہے دوا ہو جانا

دل کو درِ حبیبِ خدا پر جُھکا دیا ؛ سوئے ہوئے نصیب کو اپنے جگا دیا

ہوئی نکیروں کو بھی حیرت قبر میں دیکھ مری حالت
نعتِ نبی جب پڑھتے اٹھّا اور نبی کو سلام کیا

وہ قیصر و کسریٰ کے تصوّر میں نہیں ہے ؛ مؤمن کو جو راحت ہے مدینے کی گلی میں

فرشتے حشر میں یوں بول اٹھّیں دیکھکر مجھکو ؛ وہ دیکھو آگیا شیدا تمہارا یا رسول اللہ

دمِ پرسش نکیروں سے بس اتنا آپ فرمادیں
اسے چھوڑو یہ ہے عاشق ہمارا یا رسول اللہ

سنگِ در چوم کے کیوں مر نہ گیا اے زائر ؛ اب مزا جینے کا جب ہے کہ نہ جینا آئے

پہنچ کے طیبہ مرے دل نے میری جاں سے کہا ؛ نثار ہو جا کہ یہ جاں ہے جانِ جاں کے لئے

ہے سایۂ رحمت میں نہاں سایۂ قامت ∴ سایہ نہ ہوا سایۂ رحمت کے اثر سے

نعتِ نبی کے شوق نے قبر میں کیا مزا دیا ∴ آئے نکیر جب وہاں نعتِ نبی سُنا دیا

کوئی عمل دکھانے کو پاس نہ تھا بروزِ حشر ∴ دل تھا نبی کا شیفتہ فوراً اسے دکھا دیا

جنت بھی ہے گلزار مدینہ بھی ہے گلزار ∴ گلزارِ محبت ہے یہ گلزارِ مدینہ

داغہائے عشقِ احمد کے کرشمے دیکھئے ∴ قبر میں جاتے ہی سب کے سب چراغاں ہوگئے

معتبر عقل کو سمجھا کیا اک عمر وحید ∴ غیر حبِ نبی کچھ درد کا درماں نہ ہوا

تم مرے جب ہوگئے اے شاہِ دیں ∴ جینا اب لگتا ہے اچھا اور بھی

دلِ ناداں بھلا یوں بھی کوئی ناشاد ہوتا ہے ∴ مدینے چل دلِ ویراں وہاں آباد ہوتا ہے

اے صبا رقص ترا باغ میں ہے بے معنی ∴ کوچۂ طیبہ میں جا دیکھ کہ کیا ملتا ہے

ہے شب قدر نہاں وہ بھی برس میں اک بار ∴ قدر ہر شب ہے عیاں گر کرو سرکار کی بات

اے شہنشاہِ دو عالم ہے گدا تیرا وحید ∴ ہاتھ خالی نہیں جاتا کبھی منگتا تیرا

جس کو غمِ حبیب سے کچھ واسطہ نہیں ٭ اس کو فریب خوردۂ دنیا بنا دیا

جسکو سودائے مدینہ ہو اُسے ہوش کہاں ٭ ہوش آئے بھی تو سودائے مدینہ آئے

نعت لکھنے کا ہنر شرط دگر مانگے ہے ٭ عشق اور روشنیِ قلب و نظر مانگے ہے

آنکھوں سے لگاتے ہیں اُنھیں پاکے فرشتے ٭ آنسو کی جھڑی حبِ نبی میں جو ہے برسے

آنکھوں سے لگانے کو ہیں مشتاق فرشتے ٭ عشاق کے آنسو کا جو قطرہ نظر آیا

پاکر اُسے آنکھوں سے لگاتے ہیں فرشتے ٭ وہ اشک جو ہو جائے رواں آپ کی خاطر

آسماں پر جو چمک جاتا ہے تارا بن کر ٭ قطرۂ اشک مرے دیدۂ نمناک سے ہے

رات وہ رات جسے کہتے ہیں معراج کی رات ٭ حاصلِ کارگہِ گردشِ افلاک سے ہے

کوئی راحت ہی نہیں عشقِ نبی سے بڑھکر ٭ اُنکا عاشق یہیں جنت میں ہے جنت کے بغیر

اشرفِ خستہ کو ہے یوں اپنے ایماں پر یقین
باعثِ ایماں جو ہیں وہ جانِ ایماں ہو گئے

نعت لکھنے کا ہُنر شرطِ دگر مانگے ہے
عشق اور روشنیِ قلب و نظر مانگے ہے

قلب سے خامہ طلبگارِ اثر لفظ میں ہے
لفظ خامہ سے مگر زورِ اثر مانگے ہے

عشق استادِ ادب ہے نہیں محتاجِ ہُنر
ہاں مگر سوزِ دل اور خونِ جگر مانگے ہے

طالبِ عفو اگر ہے تو نہ کر عرضِ ہُنر
عفو تو تجھ سے ندامت کی نظر مانگے ہے

جذبۂ عشق کبھی چاہتا ہے خونِ جگر
اور کبھی عاشقِ جانباز کا سر مانگے ہے

نعت کے واسطے آوازِ قلم وقتِ رقم
مجھ سے قلب و جگر سوختہ تر مانگے ہے

ہم نے رنگینیِ عالم کا تماشا دیکھا
باغ میں بلبلِ نالاں گلِ تر مانگے ہے

بحر کی تہہ کا بھی عالم ہے کچھ ایسا ہی مگر
ابرِ نیساں سے صدف دُرّ و گہر مانگے ہے

عابد و زاہد و متقشّف و شب زندہ دار
ہر کوئی اپنا ہی فردوس میں گھر مانگے ہے

طالبِ دنیا کے احوال تو کچھ اور ہی ہیں
بندۂ حرص فقط مال اور زر مانگے ہے

اے گنہ گاروں کے ملجا یہ گنہ گار وحید
آپ سے اپنی دعاؤں میں اثر مانگے ہے

یاد میں آپ کی جو گریہ کناں ہوں آقا
بندہ یہ آپ سے وہ دیدۂ تر مانگے ہے

دُور ہو جس سے جہاں کی کجیِ فکر و نظر
یہ گدا آپ سے وہ فکر و نظر مانگے ہے

سرخروئی ملے جس سے دو جہاں میں سرکار
آپ خوش جس سے ہوں وہ قلب و نظر مانگے ہے

حال تو اسے شرفِ خستہ کا عیاں آپ پہ ہے
آپ سے ایک عنایت کی نظر مانگے ہے

ایسے کو میں نے پایا کہ ویسا نہیں کوئی
اب اسکے بعد دل میں تمنا نہیں کوئی

دل میں وہ بس گئے ہیں کہ جو دل کی جان ہیں
اب دل میں ماسوا کا تقاضا نہیں کوئی

یوں شاد ہوں کہ دل میں فقط تیری یاد ہے ۔۔۔ اب میری طرح دنیا میں تنہا نہیں کوئی
ہونا ہے بے نیاز تو اک بار بن کے دیکھ ۔۔۔ اس کا گدا کہ جس کا ہے ہمتا نہیں کوئی
یہ فخر ہے گدائے شہِ دوجہاں ہوں میں ۔۔۔ اب غم نہیں ہے یہ کہ ہے میرا نہیں کوئی
مجھ کو فقط ہے شافعِ محشر کا آسرا ۔۔۔ ورنہ گناہگاروں میں مجھ سا نہیں کوئی
رحمت ہے اُنکی سب پہ کوئی ہو کہیں بھی ہو ۔۔۔ پیدا ہوا جہان میں اُن سا نہیں کوئی

حُبِّ نبی ہے نسخۂ جاں بخش اے وحید
اسکے علاوہ دل کا مداوا نہیں کوئی

یہ ہے سرزمینِ طیبہ یہاں دل ذرا سنبھل کے
یہاں سانس لینا ہلکی یہاں پاؤں رکھنا ہلکے
جو درِ حضور پہنچا تو زباں میں تھا نہ یارا
مرے دل کے ولولے سب مرے آنسوؤں میں ڈھلکے
یہ ہے میرے دل کی حسرت کہ ہو کاش ایسا یارب
کہ درِ حضور پہنچوں میں زمیں پہ سر سے چل کے
یہ نہ پوچھو میں نے کیسے کیا حاجیوں کو رخصت
انھیں دیکھتا رہا میں، رہا دل مچل مچل کے
تو صبا اُڑا کے لے جا یہ مدینہ جو بہا ہے
مرے آنسوؤں کے ہمرہ مرا دل پگھل پگھل کے
مرے دفترِ عمل کو تو نہ دیکھ یا الٰہی !!
مرا دل ہے راکھ جل کے یہ جگر ہے خوں پگھل کے

یہ ہے سچ فنا کرے گی اجل ایک بار ہستی
میں نکالتا ہوں کس بل کئی بار روز اجل کے
نہ تھا ضبطِ غم کا یارا کہ وحید کو جو دیکھا
یہ تھے اُس کے خوں کے قطرے کہ جو آنکھ سے تھے چھلکے

دل کو مرے حیات کا حاصل بنا دیا یعنی غمِ حضور کے قابل بنا دیا
ان کے بغیر دل نہ تھا، تو وہ تھا خاک کا ان کا کرم ہے یہ کہ اسے دل بنا دیا
جیوں ہی تڑپ کے خاکِ درِ شہ پہ دل جُھکا مولیٰ نے اس کو عرش کا حامل بنا دیا
تصویرِ درد کیفیتِ شعلہ سوز عشق سب کو بہم کیا تو یہ اک دل بنا دیا
ایمان کا کمال ہی عشقِ رسول ہے مومن کو اس نے مومنِ کامل بنا دیا
دنیا میں نورِ ہادیِ اعظم کے فیض نے ذرّے کو مہر و مہ کا مقابل بنا دیا
اشرف نثار رحمتِ عالم کے نام پر طوفاں کو جن کی یاد نے ساحل بنا دیا
سُنتے ہیں تیری نعت سرائی نے اے وحید
گلشن میں تجھ کو رشکِ عنادل بنا دیا

پھر طیبہ کی یاد آئی لی شوق نے انگڑائی
پھر دل میں شہِ دیں کی یادوں کی بہار آئی
دل آپ کا دیوانہ سر آپ کا سودائی
اور آنکھیں زیارت کی کب سے ہیں تمنّائی
فرقت میں رفیق اپنی تنہائی ہے تنہائی
تنہائی ہی تنہائی تنہائی ہی تنہائی

تا کُجا یہ غمِ ہجراں تا کُجا یہ غمِ ہجراں
تا کُجا یہ شکیبائی تا کُجا یہ شکیبائی

اے رحمتِ عالمیاں اے جانِ دل وایماں
کب تک یہ غمِ ہجراں کب تک غمِ تنہائی

نازاں ہوں شفاعت پر میں شافعِ محشر کی
اعمال مگر میرے ہیں باعثِ رسوائی

للّٰہ کرم کیجے اے رحمتِ عالمیاں
مشکل میں پڑا میں ہوں غم کی ہے گھٹا چھائی

جو عشقِ نبی میں ہے دیوانہ وہ ہے دانا
دیوانگی ایسی ہے اشرف بڑی دانائی

حشر کے دن سرِ بازار وہ رسوا ہوگا
جس نے سرکار کی عظمت کو نہ مانا ہوگا

حشر میں رحمتِ عالم ہی کا چرچا ہوگا
اُنکے سائے میں گنہ گاروں کا ڈیرا ہوگا

الاماں الاماں جب ہوگا زباں پر سب کی
تب فقط شافعِ محشر کا سہارا ہوگا

آج ہی کیوں نہ رکھیں جاں سے اُسے اپنے عزیز
حشر کے دن جو ہمیں جان سے پیارا ہوگا

آج ہی دل میں جلا مشعلِ عشقِ شہِ دیں
کل تری قبر میں دُور اس سے اندھیرا ہوگا

میں دکھاؤں گا فقط اک دلِ شیدائے نبی
مجھ سے اعمال کا جس روز تقاضا ہوگا

معتبر اپنا عمل حُبِّ نبی سے کرلے
سامنے ورنہ شہِ دیں کے تو رسوا ہوگا

حوصلے دل سے نکلنے کے ہیں ارماں کیا کیا
جب مرے سامنے سرکار کا روضہ ہوگا

آج ہی کرلے جو کرنا ہے تجھے اے اشرفؔ
یہ کسی کو نہیں معلوم کہ کل کیا ہوگا

اللہ کی رحمت ہے مدینے کی گلی میں
ایمان کی دولت ہے مدینے کی گلی میں

وہ قیصر و کسریٰ کے تصور میں نہیں ہے
مومن کو جو راحت ہے مدینے کی گلی میں

دن رات وہاں آتی ہیں جنت کی ہوائیں
کھلتا درِ جنت ہے مدینے کی گلی میں

وہ جانتا ہے رکھتا ہے جو لذتِ ایماں
ایماں کی حلاوت ہے مدینے کی گلی میں

پروانہ نبی کا جو ہے اس کو ہے یہ معلوم
پروانۂ جنت ہے مدینے کی گلی میں

ہو جاتا ہے ہر درد کا دم بھر میں مداوا
وہ دردِ محبت ہے مدینے کی گلی میں

کیا کہیئے وحیدؔ اس میں جو راحت کا سماں ہے
جب رنج بھی راحت ہے مدینے کی گلی میں

اب فخر سے سر میرا سرِ عرشِ بریں ہے
سر میرا جو زیرِ قدمِ سرورِ دیں ہے

جس دل میں محبت نہیں محبوبِ خدا کی
مومن نہیں مومن نہیں مومن وہ نہیں ہے

جنت مرے آقا کے غلاموں کی ہے جاگیر
اس دولتِ جاوید کا پروانہ یہیں ہے

قدموں میں مرے آقا کے ہے دولتِ کونین
اے دل وہیں اب چل تری معراج وہیں ہے

کوثر سے نگاہیں مری دھو دیں کہ نظر میں
وہ در ہے کہ جو بوسہ گہِ روح الامیں ہے

اے دل تجھے آنکھوں میں میں کیونکر نہ بٹھاؤں
جب زیب دہِ کون و مکاں تیرا مکیں ہے

کہہ دونگا میں سرکار سے معصوم نکیرو
آقا کے غلاموں سے یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے

جو شہ کی غلامی میں ہے یکتا وہ ہے اشرف
تم کہہ دو وحیدؔ اس سے کہ وہ رب کے قریں ہے

پار کرنے کو وہ اُمت کا سفینہ آئے
عرش سے فرش پہ یوں شاہِ مدینہ آئے

دید ہے روضۂ انور کی شرابِ عرفاں
پی لے زائر تجھے آنکھوں سے جو پینا آئے

یوں ہے کچھ چشمِ تصور میں مدینہ جیسے
دل مدینے کی طرف دل میں مدینہ آئے

سنگِ در چوم کے کیوں مر نہ گیا اے زائر
اب مزا جینے کا جب ہے کہ نہ جینا آئے

کاش یوں آئے تصور میں مدینے کا جمال
ہر نظارے میں نظر مجھ کو مدینہ آئے

حسرتِ دید ہے اور ایک متاعِ دل ہے
کب نچھاور ہو یہ کب سوئے مدینہ آئے

صدقے اس پاک تصور کے کہ پیش از پرواز
بوسہ دینے کو درِ شاہِ مدینہ آئے

مر مٹے بن کے وہ دیوانۂ عشقِ نبوی
کسی ہشیار کو گر دہر میں جینا آئے

حس کو سودائے مدینہ ہو اُسے ہوش کہاں
ہوش آئے بھی تو سودائے مدینہ آئے

کتنا ہشیار یہ سودائی وحید اشرف ہے
سُن لو شعر اس کے تو سودائے مدینہ آئے

عشاق مدینے کے لئے نکلے جو گھر سے
خواہش ہے کریں راہ کو سر، چل کے وہ سر سے

کب تک یہ گدا آپ کا اے شاہِ دو عالم
یوں ہند میں، روضے کی تری دید کو ترسے

اے کاش وہ دن آئے کٹیں ہجر کے ایام
میں دیکھ لوں روضے کو ترے، اپنی نظر سے

خالق ہی ترا جانتا ہے رُتبے کو تیرے
ممکن نہیں توصیف تری کوئی بشر سے

آنکھوں سے لگاتے ہیں اُنھیں پا کے فرشتے
آنسو کی جھڑی حُبِّ نبی میں جو ہے برسے

خالق نے یہ چاہا ہو عیاں عظمتِ محبوبؐ
محفوظ رکھا جسم کو سایہ کے اثر سے

اس نورِ مجسم کا جو سایہ کہیں ہوتا
عشاقِ نبی طیبہ میں چلتے بھی تو سر سے

ہے سایۂ رحمت میں نہاں سایۂ قامت
سایہ نہ ہوا سایۂ رحمت کے اثر سے

جا سکتی ہے، جائے گی، نہ دنیا سے گئی ہے
تاریکی ضلالت کی کبھی شمس و قمر سے

انسان ہُوا جاتا ہے پھر سرکش و ظالم
بے پروا ہُوا جاتا ہے اللہ کے ڈر سے

پھر فتنہ و شر میں ہے گھری آپ کی اُمّت
لِلّٰہ بچا لیجے اسے فتنہ و شر سے

پھر تیری محبت کا چلن دنیا میں ہو جائے
پھر رحمتِ انوارِ الٰہی یہاں برسے
اے کاش مسلماں کا خدا پر ہو یقیں یوں
رکھّے یہ کوئی کام اگر سے نہ مگر سے
در سے ترے محروم نہیں جائے گا اشرفؔ
محروم نہیں جاتا ہے کوئی ترے در سے

عشقِ شاہِ دوجہاں زندگی کا حاصل ہے
مومنِ کامل ہے وہ عشق میں جو کامل ہے
مُشتِ گِل ہے دل نہیں جس میں شاہِ دیں نہیں
جو نبی پہ شیدا ہے وہ حقیقت میں دل ہے
دل کی ہے یہی معراج مومنوں کی ہے سرتاج
خاکِ پائے شاہِ دیں سب سے اونچی منزل ہے
دل اُسی کو کہتے ہیں جس میں ہو عشقِ رسول
اُن کی یاد کے بغیر دل نہیں ہے یہ گِل ہے
وہ جس سے راضی ہو جائیں راضی اس سے مولی ہے
اُن کو گر نہیں پایا زندگی لاحاصل ہے
اُن کا جو ہے دیوانہ اصل میں وہ ہے دانا
اُن سے جو ہے بیگانہ دیوانہ نہ عاقل ہے
رحمتِ عالم وہی محسنِ عالم وہی
منکرِ احساں اُن کا درحقیقت جاہل ہے
یہ کہا پیمبر نے خون کیا ناحق جس نے
قاتلِ انسانیت ہے وہ ایسا قاتل ہے

آدمی کی حرمت وہ اور بشر کی عظمت وہ
دور ہے فتنہ سے جو دل سے انکا قائل ہے
ہو یقین گر دل میں ڈر نہیں کچھ طوفاں کا
اشرفؔ نے یہ دیکھا ہے طوفانوں میں ساحل ہے

نعتِ نبی کے شوق نے قبر میں کیا مزا دیا
آئے نکیر جب وہاں نعتِ نبی سُنا دیا
کوئی عمل دکھانے کو پاس نہ تھا بروزِ حشر
دل تھا نبی کا شیفتہ فوراً اِسے دکھا دیا
دیکھ کے نامۂ عمل میرا یہ بولی مغفرت
حبِّ رسول نے ترا اک اک گنہ مٹا دیا
اپنی رضا دی اور دیا رب نے مقام خلد میں
حبِّ رسولِ پاک کا کیا کیا مجھے صلہ دیا
کر دیا مجھ کو بے نیاز دونوں جہاں کی فکر سے
رب نے مجھے جہان میں اک غمِ مصطفےٰ دیا
قطرۂ اشک جو بہا حبِّ نبی میں اشرفاؔ
اس کے طفیل میں مجھے دولتِ بے بہا دیا

یادِ نبی کی جوت سے جو دل جگ مگ جگ مگ ہے
اس کے سر پر رحمتِ باری پگ پگ یگ یگ پگ پگ ہے

ٹوٹی ہوئی پتوار ہماری بھنور رہے طوفان اور منجدھار
کوئی کھیون ہار نہیں ہے نیّا ڈگ مگ ڈگ مگ ہے

راہ کٹھن ہے منزل گُم ہے چاروں اُور اندھیرا ہے
رکھوالے کے نام پہ کوئی رہزن ہے کوئی ٹھگ ہے

پاپ ہی پاپ ڈگر ڈگر ہے ظلم وستم ہے نگر نگر
یہ کیسا سنسار ہے مالک یہ کیسا تیرا جگ ہے

یاد نبی کی جوت جگاؤ لے کے ہدایت کی مشعل
پھر دیکھو سنسار یہ سارا جگ مگ جگ مگ جگ مگ ہے

ایک نگاہِ کرم ہوجائے اپنے وحیدِ عاصی پر!
آپ ہی کا یہ غلام ہے آقا آپ ہی کے در کا سگ ہے

بے گمان و وہم سے بھی نہاں وہ ضیائے حسنِ رسول ہے
یہ جو آسماں پہ ہے کہکشاں شہِ دیں کے پاؤں کی دھول ہے

وہ جو قربِ رب کا وسیلہ ہے وہ جو مغفرت کا قبالہ ہے
وہ جو نعمتوں کا خلاصہ ہے وہ جہاں میں عشقِ رسول ہے

یہ مجالِ تابِ بشر کہاں کرے اُن کی حد کا کوئی بیاں
کہ مکاں سے وہ گئے لامکاں جہاں کوئی عرض نہ طول ہے

یہ وظیفہ رب کا تو سُن یہی یہ ہے حکمِ ربِّ قدیر بھی
صلّوا علیہ وآلہٖ تری ساری نیکی قبول ہے

وہ اصولِ زندگی جہاں کہیں جس کو نعمتِ دوجہاں
وہ جہاں میں سرورِ دوجہاں کی ہی زندگی کا اصول ہے

وہ ہیں شافعِ روزِ جزا تجھے خوفِ حشر ہو کیوں بھلا
وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ تو پڑھ اس کی شان نزول ہے

یہ ضیائے وقت ہے سربسر کہ ہو عمر وقفِ گل و شجر
نہ ہو شعر نافعِ روح اگر تو یہ شوقِ شوقِ فضول ہے

تو حیدؔ فکر نہ کر ذرا ترا اشرفیہ ہے سلسلہ
یہاں قادریہ و چشتیہ کی عنایتوں کا نزول ہے

سودائی اب ہوش میں آ کچھ کام تجھے کر جانا ہے
سر میں شوق کا سودا ہے اور سنگِ درِ جانانہ ہے

دیکھ یہ ہے طیبہ کی زمیں فخرِ دوعالم اس کے مکیں
بوسہ گہہِ جبریلِ امیں اُن کا سارا زمانہ ہے

ان سے ہے توحید پرستی خیر کو بستی شر کو پستی
نورِ ہدایت نورِ ہستی نوری ان کا گھرانہ ہے

ان کا ہے دنیا پہ احساں اُن ہی سے ہے عروجِ انساں
ان کے خلق پہ شاہد قرآں شاہد سارا زمانہ ہے

کلمۂ توحید ان سے مکمل دین ہوا ہے ان سے اکمل
سب مخلوق میں اشرف افضل سب نبیوں کا ترانہ ہے
میں قربان آقائے جہاں کے آئے یہاں جو رحمت بن کے
جان مری ہے ان پر صدقے دل بھی مرا نذرانہ ہے
وہ ہیں شمعِ بزمِ امکاں دل اُن پر نہ کروں کیوں قرباں
دل کی دنیا ان سے تاباں شمع وہ یہ پروانہ ہے
کل دیکھا تھا وحید اشرف کو اپنے اصلی روپ میں تھا
سر پر فقر کا تاج تھا اس کے طبع مگر شاہانہ ہے

محبوبِ خدا کے روضے پر تعظیم سے جو دل جھکتا ہے
وہ دل ہی حقیقت میں دل ہے وہ دل ہی اصل میں زندہ ہے
اس دل کو نہ ہرگز دل سمجھو جو حبِ نبی سے خالی ہو
اس دل کو تم زندہ نہ کہو وہ دل تو اصل میں مُردہ ہے
یہ سچ ہے مثالِ شاہِ ہدیٰ کوئی ہے نہ ہوا نہ کوئی ہوگا
مخلوق میں مثل نہیں اس کا بے مثل ہے وہ بے ہمتا ہے
انساں کو ملا اس کا رتبہ اخلاق کا سب کو درس دیا
انسانوں میں وہ اچھا ہے اخلاق میں بھی جو اچھا ہے
جو اُن کا ہے عالی جاہ وہ ہے جو ان کا گدا ہے شاہ وہ ہے
جو عشقِ نبی میں ہے متوالا اللہ کا بھی وہ پیارا ہے

طیبہ سے پیغام آئے گا تجھ کو بھی قرار آجائے گا
یں دل کو یوں سمجھاتا ہوں اور دل مجھ کو سمجھاتا ہے
نذرِ غفلت اپنی دنیا نذرِ اعمالِ سیہ عقبیٰ
بس کالی کملی والے کا محشر میں اپنا سہارا ہے
ہے آپ کے در کا وحید گدا معلوم ہے آپ کو حال اس کا
کر دیجیے دور اب درد اس کا یہ ہجر میں کب سے تڑپتا ہے

عشقِ رسول ہو نہ تو جینا فضول ہے
جینا اسی کا ہے جسے عشقِ رسول ہے
روشن ہیں مہر و ماہ ضیائے رسول سے
یہ کہکشاں بھی نعل مبارک کی دھول ہے
انسانیت کی جس سے ہے دارین میں فلاح
وہ اُسوۂ مبارکِ ذاتِ رسول ہے
کیا پوچھتے ہو کیا ہے چمن اہلِ بیت کا
اس باغ کا جو پھول ہے جنت کا پھول ہے
مومن کو حق نے دیکھا جو دیکھا رسول کو
دیدارِ حق جہان میں دیدِ رسول ہے
حسرت ہے پھر میں دیکھ لوں حضرت کو خواب میں
محرومِ دید ہوں میں تو خاطر ملول ہے
دنیا کو دے دے امن و مساوات کا سبق
ہے کوئی جو فدائے اصولِ رسول ہے
اعمال معتبر ہیں جو ایماں ہو معتبر
ایمان معتبر ہے جو حبِّ رسول ہے
اشرف کو ہے نبی کی شفاعت کا آسرا
اعمال پر بھروسہ تو بندے کی بھول ہے

نام طیبہ بھی کتنا پیارا ہے
سارے سنسار میں وہ نیارا ہے

خواب گاہِ شہِ دو عالم ہے
عرش کی آنکھ کا وہ تارا ہے

مومنوں کے دلوں کی ہے ٹھنڈک
مشکلوں میں بڑا سہارا ہے

دل نے پایا ہے حوصلہ ان سے
جب بھی سرکار کو پکارا ہے

غم میں امت کے شاہِ طیبہ نے
شب گزاری ہے دن گزارا ہے

سایۂ رحمت ان کا آج بھی ہے
حشر میں بھی وہی سہارا ہے

ہم کو کیا خوف حشر ہو اشرفؔ
شاہِ کونین جب ہمارا ہے

سب سے بڑی سرکار ہے سرکارِ مدینہ
سب سے بڑا دربار ہے دربارِ مدینہ

جنت بھی ہے گلزار مدینہ بھی ہے گلزار
گلزارِ محبت ہے یہ گلزارِ مدینہ

دل دے کے وہاں پاتے ہیں رحمت کا خزانہ
بازار ہی رحمت کا ہے بازارِ مدینہ

کچھ شک نہیں اس میں کہ وہ جنت کا ہے راہی
جو عشقِ نبی میں ہے طلبگارِ مدینہ

عاشق بھی ہے لیکن جو ادب میں بھی ہے ہشیار
کھلتے ہیں اسی شخص پہ اسرارِ مدینہ

وہ کیفیت اس وقت کہاں باغِ جناں میں
تا حشر جو انوار ہیں انوارِ مدینہ
اشرف ہے یہاں آس لگائے ہوئے بیٹھا
کب اس کو بلا لیتے ہیں سرکارِ مدینہ

یادِ آقا پر مرے آنسو جو قرباں ہو گئے
عاقبت میرے لئے جنّت کا ساماں ہو گئے
یادیں ان کی جو اُٹھے اور رگِ جاں ہو گئے
درد وہ سارے ہمارے دل کا درماں ہو گئے
میرے آقا کی محبّت میں جو آنسو بہ گئے
رشکِ ماہ و انجم و مہرِ درخشاں ہو گئے
بن گئی تقدیر اپنی جاگ اٹھا اپنا نصیب
خواب میں آنکھوں میں جب وہ جلوہ ساماں ہو گئے
داغہائے عشقِ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کرشمہ دیکھئے
قبر میں جاتے ہی سب کے سب چراغاں ہو گئے
کیا مقام الفقر فخری کا کرے کوئی بیاں
اس پہ قرباں تاج و اورنگ سلیماں ہو گئے
نورِ مہرِ رحمت للعالمیں کے فیض سے
خاک کے ذرّے بھی رشکِ ماہِ تاباں ہو گئے

جب تبسم ریز ان کے لب ہوئے تو جا بجا
گُل بنے گوہر بنے لعلِ بدخشاں ہو گئے

اس زمیں کے چپے چپے پر ہے رحمت کا نزول
جس جگہ پر رحمتِ عالم خراماں ہو گئے

اشرفِ عاصی کو یوں ہے اپنے ایماں پر یقیں
باعثِ ایماں جو ہیں وہ جانِ ایماں ہو گئے

سارا جہاں اور اس کی بستی — باعثِ ایجاد ان کی ہستی
دل کی دنیا دل کی بستی — عشق کا نشہ یا شورِ مستی
تن کی دنیا عقل پرستی — من کی دنیا مستی ہی مستی
نورِ مجسم نورِ رسالت — نورِ ہدایت نورِ ہستی

ق

ان سے ملی ہے اس دنیا میں — خیر کو بستی شر کو پستی
ان سے گریزاں ہے تاریکی — ان سے روشن دل کی لکستی
ان کا لقب ہے رحمتِ عالم — ان کی رحمت سب پہ برستی
ان کی یاد رفیق ہے ورنہ — ہجر میں تنہائی ہے ڈستی
کب دیکھوں وہ روضۂ انور — یہ آنکھیں ہیں کب سے ترستی
وہ دیتے ہیں دولتِ ایماں — مفت میں سب کو مہنگی نہ سستی

جانِ ایماں وہی ہے اشرفؔ
یعنی ان کے عشق کی مستی

عقل کے زور سے بھی کام کچھ آساں نہ ہوا
دل جو بیمار تھا اس کا کوئی درماں نہ ہوا

عمر کیا گذری جھپکنا تھا پلک کا گویا
دیکھا دل کا یہاں پورا کوئی ارماں نہ ہوا

خواب ہی خواب تھی دنیا یہ کھلا راز اس وقت
خواب جب ٹوٹ گئے خواب کا ساماں نہ ہوا

ہم نے دیکھا ہے یہی اور یہی دیکھتے ہیں
عقل کے دور میں بھی آدمی انساں نہ ہوا

دردِ دل کیا ہے یہ سیکھو شہِ کونین سے تم
غم میں امت کے جو گریاں رہا خنداں نہ ہوا

شاد ہوں میں کہ ملا مجھ کو غمِ شاہِ دو کون
دل غمِ دنیا سے میرا کبھی نالاں نہ ہوا

پیدا کوئی بھی نہیں ہوگا اب اُن سے بڑھ کر
ان سے بڑھ کر کبھی اور کوئی بھی انساں نہ ہوا

معتبر عقل کو سمجھا کیا اک عمر وحید
غیرِ حبِ نبی کچھ درد کا درماں نہ ہوا

ہے وہاں دل کا درماں مدینے چلو
دل کریں چل کے قرباں مدینے چلو

دردِ فرقت بھی ہے دورِ ظلمت بھی ہے
کریں دل کو درخشاں مدینے چلو

سب کے داتا شہِ دوجہاں ہیں وہاں
ہم گدا ہیں وہ سلطاں مدینے چلو

وہاں ہر وقت رحمت کی ہیں بارشیں
بھر لیں رحمت سے داماں مدینے چلو

جان ظلمت میں ہے روح فرقت میں ہے
روح کا لینے ساماں مدینے چلو

ہم غریبوں کی تسکین کو ہیں وہاں
غم گسارِ غریباں مدینے چلو

دل میں لے کے یہ ارمان اے عاشقو!
وہیں جائے نکل جاں مدینے چلو

دُور ہو جائیں گی سب پریشانیاں
کیوں ہو اتنا پریشاں مدینے چلو

باغ میں جوشِ مستی میں کیا جھوم کر
بُلبلیں ہیں غزل خواں مدینے چلو

مومنو جانتے ہو تمہارے لئے
ہیں وہاں راحتِ جاں مدینے چلو

وہاں مشکل کشائی کو ہیں شاہِ دیں
مشکلیں ہوں گی آساں مدینے چلو

وہ ہے دربارِ شاہِ دوعالم جہاں
ہیں فرشتے بھی درباں مدینے چلو

دیکھو گے کیا ہے ایماں کی لذت وہاں
ہیں وہاں جانِ ایماں مدینے چلو

رب نے بتلائی ہے عظمتِ مصطفےٰ
لے کے یہ درسِ قرآں مدینے چلو

شرط ہے عظمتِ مصطفےٰ دل میں ہو
چاہتے ہو جو عرفاں مدینے چلو

دیدِ روضہ، رضائے نبی، قربِ حق
پورے ہوں گے سب ارماں مدینے چلو

رہو ہر وقت شیطان سے ہوشیار
دور بھاگے گا شیطاں مدینے چلو

دل میں لے کے چلو داغِ عشقِ نبی
ہوں گے یہ سب چراغاں مدینے چلو

خاکِ پائے نبی اپنی معراج ہے
جاں وہیں کر دیں قرباں مدینے چلو

بارِ عصیاں یہ کب تک اُٹھاتے پھریں
دھونے کو داغِ عصیاں مدینے چلو

دیکھ کر جانِ ایماں کے روضے کو تم
پاؤ گے لطفِ ایماں مدینے چلو

شمعِ عشقِ شہِ دیں رہے مومنو!
دل میں اپنے فروزاں مدینے چلو

سُن لو اشرف کی یہ بات اے مومنو!
ہے سفر کا جو ساماں مدینے چلو

آہ اے کاتبِ تقدیر یہ کیا ہونا ہے
وقتِ فرقت ہے مدینے سے جدا ہونا ہے
وصل ہی جس کا مداوا ہو اُسے چین کہاں
دردِ دل آج سے ہر روز سوا ہونا ہے
آنکھیں اب روضۂ انور کو بہت ترسیں گی
دل میں ماتم سا شب و روز بپا ہونا ہے
سنگِ در چوم کے مرجانا تھا اک دم میں وہیں
شمع ساں آج سے جل جل کے فنا ہونا ہے
کاش دوبارہ بلا لیجیے سرکار مجھے
ہند میں دل تجھے یوں صرفِ دعا ہونا ہے
اب کے ہوجانا ہے خاکِ درِ محبوب وحید
سجدۂ شوق اگر تجھ سے ادا ہونا ہے

کیا کہیے کہ کیا جان پہ امت کے بنی ہے
حیران ہے اب عقل کہ کیا کچھ شدنی ہے
سائے میں تھا کل جس کے بشر امن واماں میں
اک دھوپ کی چادر ہے کہ آج اس پہ تنی ہے
جیسے کہ نہیں ہے کوئی اب زیست کا مقصد
پیمانۂ حق اب نہیں پیماں شکنی ہے

ہو دل میں اُجالا تو ہو دنیا میں اجالا
تاریک ہیں دل ہر طرف اب اہرمنی ہے

باطل کو نگوں کر دے جو حق پر جو کرے صلح
ہے کوئی حُسینی کوئی ایسا حسنی ہے

پھر دورِ جہالت کی ہیں تاریکیاں ہر سو
پھر حاجتِ کردارِ رسولِ مدنی ہے

اب پھر سے جلائیں گے ہم ایمان کی مشعل
کر دیں گے اجالا یہی اب دل میں ٹھنی ہے

سُن کر ترے اشعار وحید آتا ہے دل میں
ہر شعر ترا درس بہ دل داشتنی ہے

نبی کی ہر ادا پر جو کوئی قربان ہو جائے
زمانہ اس کا ہو جائے عظیم الشان ہو جائے

فروغِ آدمیت آج بھی دنیا میں بالا ہو
اگر یہ خیرِ امّت عاملِ قرآن ہو جائے

جلا لے مشعلِ حُبِّ نبی دل میں تو اے زاہد
کہ محشر میں شفاعت کا تری سامان ہو جائے

کسوٹی ہے یہی ایمانِ کامل کی کہ اے زاہد
نبی کا عشق تیری جاں ترا ایمان ہو جائے

گدا ہو جائے جو بھی سیّدِ عالَم کا دنیا میں
توشان اس کی یہ ہو اسکا گدا سلطان ہو جائے

زمیں سے فتنے مٹ جائیں جہاں میں امن قائم ہو
حقیقت میں اگر یہ آدمی انسان ہو جائے

دعا ہے نعت گوئی میں ہو یوں مقبول اشرفؔ بھی
کہ ہندوستان میں یہ ثانیِ حسّان ہو جائے

درود و سلام

خدا کے محبوب دیں کے سرور درود تم پر سلام تم پر
شفیعِ روزِ جزائے محشر درود تم پر سلام تم پر

ملی ہے تم سے زمیں کو رفعت تمہیں سے کون و مکاں کی عزت
تمہیں تو کونین کے ہو سرور درود تم پر سلام تم پر

عروج کی شب زمیں سے اُٹھے گئے اکیلے وہاں سے آگے
جہاں جلیں جبرئیل کے پر درود تم پر سلام تم پر

ہر ایک بیکس کا جو ہے ملجا گنہگاروں کا جو ہے ماویٰ
قسیمِ تسنیم و جامِ کوثر درود تم پر سلام تم پر

جو گالی کھا کے دعائیں دیتے عوض میں کانٹوں کے پھول دیتے
وہ تم ہو اے شاہِ دین پرور درود تم پر سلام تم پر

کھلانا اوروں کو بھوکا رہ کے دعائیں دینا ستم کو سہہ کے
تمہیں ہو انسانیت کے رہبر درود تم پر سلام تم پر

مٹایا فرقِ حسب نسب کو دیا اخوت کا درس سب کو
اے امن و اسلام کے پیمبر درود تم پر سلام تم پر

کیا قمر کو جو اک اشارہ تو ہو گیا آن میں دو پارہ
تمہارے محکوم بحر اور بر درود تم پر سلام تم پر

ہے جن کے قبضے میں سب خدائی جو چاہیں وہ مرضیِ الٰہی
چٹائی ہے ان کا شب میں بستر درود تم پر سلام تم پر

جو باعثِ خلقِ دو جہاں ہے جو رحمت و زینتِ مکاں ہے
وہ تم ہو ہادی وہ تم ہو رہبر درود تم پر سلام تم پر

غریب امت کے ناخدا تم گناہگاروں کے آسرا تم
تمہیں تو ہو دلنواز دلبر درود تم پر سلام تم پر

علیؑ شیرِ خدا کا صدقہ اور سیدہ فاطمہ کا صدقہ
کرم کی ہو اک نگاہ ہم پر درود تم پر سلام تم پر

گدا ہیں ہم، تم ہو شاہِ عالی رہے نہ جھولی ہماری خالی
طفیلِ شبیر و بہرِ شبر درود تم پر سلام تم پر

وحید بیکس بھی ہے تمہارا تمہیں سے رکھتا ہے یہ سہارا
بلالو تم اس کو اپنے در پر درود تم پر سلام تم پر

یہاں جو ہیں حاضرینِ جلسہ یہاں جو ہیں حاضراتِ جلسہ
کرم ہو اے میرے آقا سب پر درود تم پر سلام تم پر

چند اشعار جن کا تعلّق عام اخلاقیات سے ہے

وہ آدمی ہے جو کام آئے آدمی کے لئے ٭ وہ آدمی نہیں جس سے ہو آدمی کو ضرر

لذتِ درد جس کو حاصل ہے ٭ اس کو حاصل ہے زندگی کا مزا

جیتے ہیں کینہ و بغض اور عداوت کے بغیر ٭ ہیں مسلمان وہی جن سے نہ کوئی پائے ضرر

وصل کا لطف کہاں ملتا ہے فرقت کے بغیر ٭ ہجر کے درد سے مایوس نہ ہو اشرفؔ

ملی ہے اسکو وہ دولت جو ہے قناعت میں ٭ غمِ جہاں سے ہے آزاد اس لئے اشرفؔ

یہ کسی کو نہیں معلوم کہ کل کیا ہوگا ٭ آج ہی کرلے جو کرنا ہے تجھے اے اشرفؔ

اشرفؔ نے یہ دیکھا ہے طوفانوں میں ساحل ہے ٭ ہو یقین گر دل میں ڈر نہیں کچھ طوفاں کا

عقل کے دور میں بھی آدمی انساں نہ ہوا ٭ ہم نے دیکھا ہے یہی اور یہی دیکھتے ہیں

کاش میں ہو جاؤں تنہا اور بھی ٭ سامنے ہوتے ہو تم تنہائی میں

حقیقت میں اگر یہ آدمی انسان ہو جائے ٭ زمیں سے فتنے مٹ جائیں جہاں میں امن قائم ہو

استدراک

کتاب "اردو زبان میں نعت گوئی کا فن" طباعت کے مرحلہ سے گذر رہی تھی کہ میرے ایک کرم فرما جناب سیّد عماد الدّین قادری صاحب نے کچھ کتابوں کے ساتھ ایک کتاب "اُردو نعت اور جدید اسالیب" روانہ کی جو پاکستان میں شائع ہوئی ہیں۔ "اردو نعت اور جدید اسالیب" کے مصنّف جناب عزیز احسن صاحب ہیں۔ عزیز احسن کا اردو نعتیہ شاعری کا مطالعہ وسیع بھی ہے اور گہرا بھی۔ وہ نعتیہ شاعری کے لئے زبان و بیان کے آداب سے بھی واقف ہیں اور شعری محاسن پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ اردو کی نعتیہ شاعری پر ان کا تحقیقی مطالعہ بھی ہے۔ اسی موضوع پر نقد و نظر کے اصولوں سے بھی وہ بڑی حد تک واقف ہیں اور خود ایک خوش گو شاعر بھی ہیں۔ اس لئے ان کی یہ کتاب معنوی اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔

اپنی اس کتاب میں عزیز احسن کی مذکورہ کتاب کو زیر بحث لانے کیلئے چند خاص وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں اس موضوع پر لکھنے کے متعلق ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اس کتاب سے پتہ چلا عزیز احسن صاحب اسی موضوع پر بیس برس پہلے سے سوچ رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں۔ اس موضوع پر سوچنے اور لکھنے کی وجہ وہی تھی جو میرے ذہن میں تھی۔ ان کی اس مسلسل فکر مطالعہ اور تجربہ کا نتیجہ ان کی

یہ کتاب ہے جسے اردو نعت گوئی کے سلسلے میں کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اردو شعراء شاعری میں جدیدیت کو حمد و نعت اور منقبت کے موضوعات پر نہ آزمائیں کہ اس میں لغزشوں کا شدید اندیشہ ہے، یا بہت زیادہ محتاط ہو جائیں۔ یہ کتاب میرے اس اندیشہ کی تائید کرتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہوا کہ میری نظر میں اس کتاب میں شعراء سے جو لغزشیں ہوئی ہیں اُن کی وضاحت کر دوں۔ یہ مصنف کے مقصد کے خلاف بھی نہیں ہے۔ میں پہلے ہی اپنے مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ میں جدید اسلوب کے خلاف نہیں ہوں بلکہ اس کو ادبی ارتقاء کا ضامن سمجھتا ہوں۔ البتہ میں جدید اور جدیدیت میں فرق کرتا ہوں۔ ان دو خاص وجہوں کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں نے جدید اسالیب میں کامیاب تجربے کئے ہیں ان کی تحسین بھی کی جائے کیونکہ ادب کے فروغ کے لئے یہ ضروری ہے۔

کتاب میں مصنف نے صرف اردو نعتیہ شاعری ہی کو موضوعِ بحث نہیں بنایا ہے بلکہ بعض دوسرے عمومی مسائل پر بھی بحث کی ہے مثلاً فن شعر، شعریت، شاعری اسلامی نقطۂ نظر سے

مجھے ان موضوعات سے بحث نہیں۔ چونکہ ابتداء میں قرآن کی سورۃ الشعراء کی آیت کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے جو شعر و شاعری سے متعلق ہے اور ساتھ ہی شاعری کے متعلق چند احادیث بھی نقل کی گئی ہیں اس لئے محض تکمیل مقدمہ کے لئے چند باتیں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہاں مصنف نے جو بحث چھیڑی ہے اس سے بعض اور مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ سورۂ یٰسین میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا اور یہ ان کی شان کے

مطابق بھی نہیں ہے "۔ اس بیان پر بھی روشنی ڈالنا ضروری ہے تاکہ اس سے جو سوالات اور اشکالات پیدا ہوتے ہیں وہ حل ہو جائیں۔

ہم پہلے سورۃ الشعراء کی متعلقہ آیت کا ترجمہ نقل کرتے ہیں جو مصنف نے پیش کیا ہے۔

"رہے شعراء تو ان کے پیچھے تو بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں"

— بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا" (یعنی کوئی اسلام کی ہجو کر کے ایذا دے تو مومن شاعر اس کا جواب دے۔ اس کو جہاد بالقلم واللسان کہا گیا ہے۔)

مطلب یہ ہے کہ جو شعراء کا اتباع کرتے ہیں وہ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لئے ایمان والے ان کا اتباع نہیں کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے شعر کی تعریف بھی کی ہے جس کا ذکر مصنف نے بھی کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی نہیں سکھایا۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ آپ شعر اور زبان و بیان کے محاسن سے واقف نہ تھے۔ آپ نے خود اپنے متعلق فرمایا ہے کہ " انا افصح العرب " یعنی میں عرب میں سب سے زیادہ فصاحت والا (فصیح اللسان) ہوں۔ آپ نے شعر پر اصلاح بھی فرمائی ہے یعنی آپ کو شعری محاسن کا ادراک اور شعر فہمی کا سلیقہ بدرجۂ اتم تھا۔ تو پھر قرآن کی اس آیت کا کیا مطلب ہے کہ

ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا، یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہا کہ یہ اُن کے لئے زیبا بھی نہیں ہے۔

وجہ یہ ہے کہ مشرکین نے آپ پر شاعر ہونے کا الزام لگایا تھا۔ اس لئے قرآن میں اس کی تردید کی گئی۔ عرب میں ایامِ جاہلیت میں بڑے بڑے شعرار موجود تھے اور انھیں اپنی شاعری پر فخر تھا۔ اس لئے وہ اس سے ضرور واقف تھے کہ شاعری کیا چیز ہے، اور اس کا تجربہ تو تھا ہی کہ شاعری کیسے وجود میں آتی ہے خواہ وہ اپنے تجربہ کو بیان نہ کر سکتے ہوں اور اُس زمانے میں ایسے تجربات کو تفصیل سے بیان کرنا ممکن بھی نہ تھا۔ اس زمانے میں وہ اصطلاحیں بھی وجود میں نہ آسکی تھیں جو اس زمانے میں شعریات سے متعلق بیانات کے لئے وضع ہوئی ہیں۔ شاعری کا تعلق وجدان سے ہے۔ اسے وہ محسوس کرتے تھے اور ہر فطری شاعر ہر زمانے میں محسوس کرتا ہے خواہ وہ کسی زبان میں شاعری کرتا ہو اور خواہ کسی ملک یا زمان کا شاعر ہو۔ ان کا یہ کہنا کہ آپ شاعر تھے اُن کے نزدیک ان کا مقصود یہی تھا کہ آپ جو کہتے ہیں وہ اپنے وجدان سے کہتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک شعر کا تعلق شعور اور وجدان سے ہے اور عروض کی پابندی ایک اضافی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو وہ وجدان اس لئے نہ عطا کیا کہ آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جو چیز محض وجدان کا نتیجہ ہو وہ غلط بھی ہو سکتی ہے۔ حق و باطل کا معیار کسی کا ذاتی وجدان نہیں قرار دیا جا سکتا۔ آپ کو سکھانے والا خود اللہ تعالیٰ تھا۔ اس لئے قرآن میں یہ بھی کہا گیا کہ "وما ینطق عن الھوٰی اِن ھوَ اِلّا وحی یوحیٰ" یعنی رسول اپنی خواہش یا وجدان سے کچھ نہیں کہتے یہ تو وحیِ الٰہی ہے جو اُن پر نازل کی جاتی ہے اور وہ وہی کہتے ہیں جو اُن سے

اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کہلواتا ہے۔

وہ شعرار جنھوں نے ایمان کو قبول کر لیا ان کا وجدان ایمان کے تابع ہوگیا۔ اس لئے وہ لوگ جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور اس کو بکثرت یاد کرنے والے ہیں وہ شاعری میں بھی گمراہ نہ ہوں گے لیکن اتباع تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا جائے گا کیونکہ اصلی شارع وہی ہیں اور انھیں کی اتباع کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

مشرکین کا یہ کہنا کہ قرآن ایک شخص کے وجدان کا نتیجہ ہے جو دوسرے شعرار کو بھی حاصل ہے اس لئے تھا کہ جب وجدان تمام شعرار میں مشترک ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا چیز مابہ الامتیاز رہ جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ اوّل تو آپ کو شعر سکھایا ہی نہیں، دوسرے قرآن تمامتر وحیِ الٰہی ہے جو زندہ دل لوگوں کو ڈراتا ہے اور حق و باطل میں فیصلہ کر کے کافروں کے جرم کو ثابت کر دیتا ہے۔ (سورہ یٰسین[۱])

یہ مصنف پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ سیاق وسباق کے مطابق ایک نکتہ کا اضافہ ہے۔

شعر کے فنی لوازمات کے سلسلہ میں مصنف نے بڑی حقیقت پسندانہ باتیں بیان کی ہیں جن سے انکار کی گنجائش نہیں۔ اسی میں ذیلی عنوان شعریت اور شعر ہے۔ اس کے تحت مصنف نے اردو کے اساتذہ شعرار کے چند اشعار پیش کیے ہیں جو شعریت سے بھرپور ہیں۔ ان پیش کردہ اشعار میں دو طرح کے اشعار ہیں۔ ایک وہ بیان ہے جس میں کسی تشبیہ کا سہارا لیا گیا ہے۔ دوسرا وہ بیان ہے جو کسی تشبیہ کے سہارے کے بغیر حقیقت کا برملا، برجستہ، بختگی بیان کے ساتھ اظہار ہے اور ایسا ہے جو کسی تشبیہ کا محتاج نہیں۔

تشبیہ وہاں ناگزیر ہوتی ہے جہاں کسی غیر محسوس یا ماورائی چیز کا بیان کیا جائے۔ غیر محسوس چیز تک ہمارے خیال یا احساس کی رسائی کے لئے محسوس اشیاء کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ تشبیہ ہمیں اس طرف متوجہ کر کے غیر محسوس کو محسوس بنا دیتی ہے۔ یہاں ضروری ہے کہ تشبیہ بڑی حقیقی اور نیچرل ہو۔ ایسے بیانات میں تشبیہ کے بغیر چارہ نہیں۔

دوسرے تمام حالات میں تشبیہ شاعر یا ادیب کی خوش فکر طبیعت اور اس کے تخیل کی پرواز کو ظاہر کرتی ہے جو یقیناً قابلِ تحسین چیز ہے لیکن اگر وہی حقیقت بغیر تشبیہ کے کامل ایجاز کے ساتھ بیان کی جا سکے تو ان دونوں میں کون سا بیان زیادہ شعریت کا حامل ہوگا یا زیادہ فنکاری کا طالب ہوگا؟

میں سمجھتا ہوں کہ وہ بیان جو بغیر تشبیہ کے سہارے پیش کیا جا سکے لیکن واضح اور موجز ہو وہ اس بیان پر فوقیت رکھتا ہے جو تشبیہ کے سہارے پیش کیا گیا ہو۔ میر کا شعر ہے

شام ہی سے بجھا رہتا ہے　　　دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

صرف ایک تشبیہ کی وجہ سے جاذب نظر ہو گیا ہے ورنہ اس میں فکر و فن کی اور کوئی خوبی نہیں۔ اب معین احسن جذبی کا یہ شعر دیکھئے۔

نہ موت آئے الٰہی تباہ حالی میں
کہ نام ہوگا غمِ روزگار سہ نہ سکا

یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے جو اپنے اظہار کے لئے کسی تشبیہ کی محتاج نہیں۔ ماورائی حقیقتوں کو چھوڑ کر بقیہ دنیا کے تمام حقائق کا برجستہ اظہار جس میں کسی تشبیہ کا سہارا نہ لیا گیا ہو بہر حال زیادہ قابلِ تحسین اور دشوار ترین کام ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مصنف کے انتخاب کردہ اشعار

میں سے صرف ایک اور شعر کی طرف اشارہ کرتے چلیں۔

چلی بھی جا جرسِ غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نو بہار ٹھہرے گا

مصحفی کا یہ شعر عربی کی اس مَثَل کی ترجمانی کرتا ہے کہ " مَنْ جَدَّ وَجَدَ " (جس نے کوشش کی اس نے پایا) مصحفی کے اس شعر کی لفظیات سے بحث کی جا سکتی ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زندگی جہدِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں اور شاعر کا مقصود بھی یہی ہے۔

محسن کاکوروی کے بارے میں صفحہ ۸۸ پر لکھتے ہیں :۔

" محسن کاکوروی جدید نعت کے بانیوں میں شامل ہیں۔ ان کے قصیدۂ لامیہ کو جو خداداد شہرت نصیب ہوئی ہے وہ ادب شناسوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔"

محسن کاکوروی نے جب قصیدۂ لامیہ لکھا تو اسی وقت اس پر اعتراضات کئے گئے لیکن اس دلیل پر لوگوں نے خاموشی اختیار کر لی کہ قصیدہ میں تشبیب میں مضامین کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ یہ بات صحیح ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ گریز کے شعر سے تشبیب اور قصیدہ کے اصل مضمون میں ربط پیدا کیا جائے۔ محسن کاکوروی نے مطلع ہی ایسا کہا ہے کہ تاویل کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے اور نہ ہی آج تک اس کی کوئی تاویل پیش کر سکا ہے۔ اس لئے محض یہ کہہ کر کہ تشبیب میں مضمون کی کوئی قید نہیں ہوتی شاعر کا دفاع نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس قصیدہ سے شاعر کے عقیدہ پر بحث کرنا درست نہ ہوگا۔ شاعر کے موحد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اردو نعت اور جدید اسالیب کے تحت شعراء کے اچھے اشعار

پیش کیے گئے ہیں لیکن کہیں جدید اسلوب سے جدیدیت کی طرف مائل ہو جانے کے سبب بیان میں لغزشیں بھی نظر آتی ہیں۔

عارف عبدالمتین نے جہاں بہت اچھے اشعار جدید اسلوب میں کہے ہیں وہیں ان کا یہ شعر ان کے لغزشِ قلم کو ظاہر کرتا ہے۔

میں کروں تیری طرح تسخیر یہ ارض وسما
یوں شبِ معراج کے سانچے میں خود کو ڈھال لوں

اس شعر کے لہجہ سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس میں التجا ہے یا ادّعا۔ مصنف نے یہی ایک شعر نقل کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے پہلے کے اشعار سے یہ عقدہ کھُلتا ہو اگر صرف التجا ہے تو اس سے رشک کا پہلو نکلتا ہے اور جس کے ناگوار پہلو کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اور اگر ادّعا ہے تو اور زیادہ قابلِ مذمت ہے۔

حفیظ تائب کی ایک نعتیہ غزل کا پہلا مصرعہ یوں ہے۔

"کام ہم نے رکھا صرف اذکار سے تیری تعلیم اپنائی اغیار نے"

اس سے ذکر و اذکار کا تمسخر ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن میں ہے "ولذکر اللہ اکبر" اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ احادیث میں اس کی فضیلت بڑے پُرزور انداز میں ملتی ہے۔ قرآن میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ کا ذکر کھڑے، بیٹھے، کروٹ بدلتے ہر حال میں کرو۔ یہ آیات متشابہات میں سے نہیں ہے جس کی تاویل کی جائے۔ قوم کی ناکامی کا سبب چند لوگوں کے ذکر و اذکار سے نہیں ہے بلکہ جب لوگ کثرت سے ذکر کرتے تھے تو قوم سر بلند تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ دورِ رسالت میں جہاد میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے دور میں آپ کی تلوار میان سے باہر نہ نکلی۔ وجہ یہ ہے کہ آپ باب العلم تھے۔ آپ کے علم، تدبر اور مشورہ کی ضرورت ہمیشہ دارالخلافہ میں رہتی

تھی۔ اس لئے آپ کو جہاد پر نہیں بھیجا گیا۔ مدینہ میں طویل عرصے تک قیام کرنے کے سبب آپ کو ذکرواذکار اور ریاضت و مجاہدہ کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ اس عالم عبادت و ریاضت کے سبب آپ پر دہ فضلِ ربانی ہوا کہ آپ امام الاولیاء قرار پائے۔ آپ کے زمانے میں روئے زمین پر آپ سے زیادہ افضل کوئی نہ تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو ذکرواذکار کا تمسخر کرنے سے اپنی زبان و قلم کو محفوظ رکھنا چاہیئے اور ذکرواذکار کی توفیق رب تعالیٰ سے طلب کرنا چاہیئے۔

حنیف اسعدی نے مومن کے یقین پر کیا طنز کیا ہے گویا مومن کا یقین مادی فتوحات کا محتاج ہے۔ دیکھئے جدیدیت کے شوق نے انھیں کیسے گمان میں مبتلا کر دیا ہے۔

سوچیں تو روحِ عصر کے ادراک کے بغیر
معراج کیسے آئے کسی کے گمان میں

نبی کیا ہوتا ہے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کر دیا ہے جس پر ایمان لانا مومن پر فرض ہے۔ اس کے بتانے ہی سے ہمیں نبوت و رسالت پر یقین ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بھی بیان کر دیئے تاکہ مومن کسی گمان میں نہ رہے۔ جس کا فیصلہ رب تعالیٰ پہلے ہی کر چکا ہے اور رب تعالیٰ کا فیصلہ ہی مومن کے یقین و ایمان کا سبب ہے تو مومن کی شان یہ ہونی چاہیئے کہ اس خدائی فیصلہ کو بے چون و چرا قبول کرلے نہ کہ خود فیصلہ کرنے لگے۔ ہاں جس کے یقین کا سبب وحیِ الٰہی نہ ہو بلکہ خود اس کی عقل ہو وہ ایسا بیان دے سکتا ہے جو حنیف اسعدی کے اس شعر میں ملتا ہے:۔

کسی ایسی ذات کا نام تو جو ایں بھی ہو جو اماں بھی ہو
یہ مرے یقین کا ہے فیصلہ نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

یہاں ایک اور بات قابلِ ذکر ہے۔ جب کسی امر کی واقعیت کو کوئی شخص اپنے ذاتی فیصلہ پر منحصر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو اس سے اختلاف کی گنجائش ہے۔ اس طرح وہ ایک حقیقت کو تسلیم کرنے میں بھی اختلاف کی راہ کھولتا ہے حالانکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اعلیٰ ترین کردار وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ہر انصاف پسند آدمی کرے گا۔ ایسی تاریخی حقیقت کو کسی شخص کا اپنی ذاتی یقین پر منحصر کرنا تاریخی حقیقت کو بھی نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ اور یہ تو مشرکین مکہ کو بھی یقین تھا کہ آپ سچے رسول ہیں چنانچہ قرآن میں ہے کہ یہ آپ کو اپنے بیٹے سے بھی زیادہ پہچانتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے۔ ایسا یقین کس کام کا۔

پروفیسر عنایت علی خاں کا یہ شعر پہلودار ہے:

یہ مری عقیدت بے بصر یہ مری ارادت بے ثمر
مجھے میرے دعوئے عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

اس شعر سے پروفیسر عنایت علی خاں کا مدعا جو بھی ہو مگر شعر میں ایسی لچک ضرور ہے کہ پڑھنے والا اپنے وجدان کے مطابق اس کا مفہوم ایسا نکال سکتا ہے جو لفظ و معنی میں مطابقت رکھتا ہو۔ عاشق ہوتے ہوئے عشق کا دعویٰ نہ کرنا اظہارِ عجز ہے اور مدعی بننا دلیل محرومی ہے۔ بعض لوگوں نے ماضی میں ضرور دعویٰ کیا ہے لیکن اس دعوے کی دلیل بھی اپنی زندگی سے پیش کر دی ہے مثلاً صحابہ کرام اور اولیائے عظام۔

نعیم صدیقی کا یہ شعر بہت بار سماعت پر گذرا ہے:

اے روشنیاں لٹانے والے
ممکن ہو تو اک نظر ادھر بھی

یہاں "ممکن ہو" کا استعمال یقین کے منافی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت کے بارے میں تشکیک کا پہلو لئے ہوئے ہے اسکو بآسانی یوں کہہ سکتے ہیں "رحمت کی ہو اک نظر ادھر بھی"۔

عارف عبدالمتین معراج کے واقعہ کی طرف اسطرح اشارہ کرتے ہیں :-

ماہ و انجم ہیں غبارِ رہِ ابنِ آدم
بن گئی ایک حقیقت یہ حکایت تجھ سے

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ معراج کا واقعہ محض ایک حکایت ہے اور حکایت تو اکثر من گھڑت ہی ہوا کرتی ہے لیکن مادّی فتوحات نے اسکو قابلِ یقین بنادیا۔ اسی طرح کی بات حنیف اسعدی نے بھی دوسرے انداز سے کہی ہے

بیان کے معائب کے ذکر کے بعد اچھے اشعار کی داد دینا بھی ضروری ہے۔ یہاں ہر شاعر کے ایک دو شعر ہی نقل کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

آپ کے اور محاسن بھی ہیں بے حدّ و شمار
حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا کے سوا (جمیل نقوی)

پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ ہے تیرا کرم
مجھکو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا (احمد ندیم قاسمی)

(اس میں دوسرے مصرع میں "ہے" حشو ہے۔ جسے بہ آسانی دور کیا جاسکتا تھا۔)

کیا ہے آپ نے ایسے بتوں کو بھی پامال
جو نیتوں میں چھپے تھے جو آستیں کے نہ تھے (حنیف اسعدی)

اس کے قدموں کی مجھے خاک ہی کر دے یارب
سوئے طیبہ کوئی جاتا نظر آتا ہے مجھے (نیاز بدایونی)

اے زہے قسمت اگر دشتِ جہاں میں آپ کے
نقشِ پا پر چلتے چلتے نقشِ پا ہو جائیے (خورشید رضوی)

جو دیکھ پاتے انھیں ہم تو حال کیا ہوتا
نہ دیکھنے پہ یہ عالم کہ جیسے دیکھا ہے (امید فاضلی)

کتنی صبحیں ظہور کرتا ہے جاگنا رات بھر مدینے میں
کتنی صدیوں کو ہو گئے ہیں محیط میرے شام و سحر مدینے میں
تو نے کچھ بھی تو دیکھنے نہ دیا اے مری چشمِ تر مدینے میں

(عطاء الحق قاسمی)

رسائی میں نہیں تخلیقِ نعت کا لمحہ یہ سدرہ وہ ہے کہ جبریل لفظ تھک جائے
ٹھہر ٹھہر کے مدینے کا راستہ طے کر کچھ اور بھی ثمرِ اشتیاق پک جائے
میں دیکھتا رہوں جالی کو حیرتی ہو کر مجال کیا جو ذرا بھی پلک جھپک جائے
دکھائی دے ہمیں الفاظِ نعت نور کا کا جو دل سے پردۂ غفلت کبھی سرک جائے

(ڈاکٹر ریاض مجید)

اس قدر عشقِ نبی ہو کہ مٹا دوں خود کو
اس قدر خوفِ خدا ہو کہ نڈر ہو جاؤں

(مظفر وارثی)

میں بھی مشتاقِ معراج تھا — اُن کی دہلیز پر ہو گئی

(مظفر وارثی)

وہ ہر شعبۂ زندگی کو محیط — وہ منبر پہ مسجد میں غزوات میں

(مظفر وارثی)

دل پہلے جیسا دل نہ رہا جاں پہلے جیسی جاں نہ رہی
جب اُن گلیوں سے ہم گذرے جب اُن گلیوں سے ہم نکلے

(اختر لکھنوی)

ہمیں منزلوں کی نوید دے ہمیں خیر و شر میں تمیز دے
کہ ہم اپنے ہاتھ سے لکھ رہے ہیں وہ جو زائچے ہیں زوال کے
مری سرزمین پہ تا ابد ہو تری دعاؤں کا سائباں
مرے شہر شہر دیئے جلیں تری آرزوئے وصال کے

(محمد فیروز شاہ)

کریں زیارتِ سرکار کی دعائیں ہم
مگر وہ ہاتھ وہ آنکھیں کہاں سے لائیں ہم
بس اک دعا ہے ہماری فروغِ جاں کے لئے
اُنھیں کو یاد رکھیں خود کو بھول جائیں ہم

(شبنم رومانی)

وہ ایک رات چراغاں ہوا زمانے میں
ہوا بھی ہو گئی شامل دیے جلانے میں

(محشر بدایونی)

مصنف نے یہاں شعر کی شرح میں آکسیجن وغیرہ کی بات کی ہے۔ لیکن شعر کا زیادہ بلیغ مفہوم صاف ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کا ذکر ہے۔ کہ اس شب میں خوشی کا چراغ ایسا جلا جس کی محافظ خود فطرت کی طاقتیں تھیں جو اس کو بجھانے کے بجائے اسے روشن کرنے میں ممد و معاون بن گئیں ہاں وہ انسان ہی تھا جو اس کے بجھانے کے درپے تھا لیکن فطرت کی طاقت کے آگے اُس کی نہ چل سکی۔

آپ کے سائے میں آجائے تو یہ حال ہو کیوں
آدمی عقل کے نرغے میں ہے تنہا تنہا

(محشر بدایونی)

جہاں تک آپ کی تقلید ہو اسی حد تک
سلیقۂ بشریت بشر میں رہتا ہے

(محشر بدایونی)

چراغِ سیرتِ پُرنور اگر نگاہ میں ہو
تو پھر اندھیرا کہاں رہگذر میں رہتا ہے

(محشر بدایونی)

تم اگر رحمتِ عالم کے نہیں
مہرباں رحمتِ یزداں کیوں ہو

(صہبا اختر)

جب تک ترے نور سے ہو خالی　　اک نار ہے علم بھی ہُنر بھی

(نعیم صدیقی)

ترا خیال ہے صحرا میں ابر کی صورت　　میں سر پہ اور کوئی سائباں نہیں رکھتا

(جاوید اقبال ستار)

آپ کی بعثت سے پہلے تھا ہر منظر نقشِ دو عالم
اُجڑا اُجڑا پھیکا پھیکا ہلکا ہلکا مدھم مدھم
حُسن کا چہرہ اُترا اُترا عشق کی رنگت بدلی بدلی
دہر کا نقشہ بگڑا بگڑا زیست کا مقصد مبہم مبہم
آنکھ کی پُتلی سہمی سہمی دل کی دھڑکن ٹھہری ٹھہری
شوق کا دریا سمٹا سمٹا جوشِ جنوں کے طوفاں کم کم
چاند کی کرنیں میلی میلی صبح کے جلوے دھندلے دھندلے
کوچۂ ہستی سُونا سُونا محفلِ فطرت برہم برہم
دنیا کی ہر شئے آزردہ ہر چیز افسردہ پژمردہ
تارا تارا ذرّہ ذرّہ موتی موتی شبنم شبنم
اتنے میں مشرق کے افق سے مہرِ رسالت کی ضو اُبھری
خنداں خنداں روشن روشن افزوں افزوں محکم محکم
چاک ہُوا باطل کا پردہ اِنَّ البَاطِلَ کَانَ زَھُوقًا
نورِ ہدایت آیۂ رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

(عاصی کرنالی)

ثنائے خواجہ میں اے ذہن کوئی مضموں سوچ !
جناب ! وادیِ حیرت میں گم ہوں، کیا سوچوں ؟
زبان ! مرحلۂ مدح پیش ہے کچھ بول — !
مجال حرف زدن ہی نہیں ہے کیا بولوں ؟
قلم ! بیاضِ عقیدت میں کوئی مصرعہ لکھ !
بجا کہا، سرِ تسلیم خم ہے کیا لکھوں ؟
شعور ! اُن کے مقامِ پیمبری کو سمجھ !
میں قیدِ حد میں ہوں، وہ بیکراں ہیں کیا سمجھوں؟
خرد ! بقدرِ رسائی تو اُن کے علم کو جان !
میں نارسائی کا نقطہ ہوں اُن کو کیا جانوں ؟
خیال ! گنبدِ خضرا کی سمت اُڑ، پر کھول !
یہ میں ہوں اور یہ مرے بال و پر ہیں کیا کھولوں ؟
طلب ! مدینے چلیں نیکیوں کے دفتر باندھ !
یہاں یہ رختِ سفر ہی نہیں ہے کیا باندھوں ؟
نگاہ ! دیکھ کہ ہے رُوبرو دیارِ جمال !
ہے ذرّہ ذرّہ یہاں آفتاب کیا دیکھوں ؟
دل ! اُن سے حرفِ دعا، شیوۂ تمنّا مانگ !
بلا سوال وہ دامن بھریں تو کیا مانگوں؟
حضور ! عجزِ بیاں کو بیاں سمجھ لیجے !
تہی ہے دامنِ فن، آستاں پہ کیا لاؤں؟

(عاصی کرنالی)

اُن کی نسبت سے دعاؤں کا شجر سبز ہوا
ورنہ ٹلتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم

(صبیح رحمانی)

کسی طرف کا سفر ہو اُدھر کا دھیان کرو
کسی طرف ہو تمہارا سفر مدینے چلو

کتنا مشکل ہے مدینے سے پلٹ کر آنا
اور جانا بہت آسان مدینے کی طرف

(نسیم سحر)

دشمن لہو کو امن کی پوشاک کر دیا
خنجر تمام توڑ دیے انتقام کے
لہجے عداوتوں کے وہ منسوخ کر گئے
آواز کو سکھائے ہُنر احترام کے

(جاذب قریشی)

یہ اشعار واقعی داد وتحسین کے لائق ہیں۔ لیکن سوائے جاذب قریشی کے شعروں کے بقیہ تمام اشعار میں کلاسکیت اور جدیدیت کا کوئی فرق نظر نہیں آتا یعنی ان پر پوری پوری کلاسیکی پختگی کی چھاپ نظر آتی ہے۔ جاذب قریشی نے جدید تر لہجہ اختیار کیا ہے لیکن بیان میں کوئی جھول نہیں ہے۔ الفاظ ومعانی میں پوری مطابقت ہے۔ ان کے اشعار جدید تر لہجہ کا جواز پیش کرتے ہیں۔

تحقیقات و تصنیفات و تالیفات مصنّف

۱۔ اردو زبان میں نعت گوئی کا فن۔

۲۔ مقدمۂ رباعی

۳۔ تجلّیات (نعتوں کا مجموعہ)

۴۔ رباعیات (۳۵۰ رُباعیاں)

۵۔ روحِ محمود (نواب محمد محمود مدراسی کے کلام کا انتخاب مع مقدمہ)

۶۔ افسر مودودی حیات اور شاعری

۷۔ دیوان فدا (تلمیذ غالب) تدوین کلام مع مقدمہ باشتراک مالک رام۔

۸۔ روزہ۔

۹۔ تصوّف۔

۱۰۔ مقدمۂ لطائف اشرفی (فارسی) مطبوعہ مہاراجا سیاجی راؤ یونیورسٹی بڑودہ

۱۱۔ حیات سید اشرف جہانگیر سمنانی (دوسرا ایڈیشن زیر تصنیف)

۱۲۔ لمحات (شعری مجموعہ غیر مطبوعہ)

۱۳۔ مومن (غیر مطبوعہ)

۱۴۔ مقالات اشرف (ایک ہزار صفحات سے زیادہ غیر مطبوعہ)

۱۵۔ مکتوباتِ اشرفی و لطائفِ اشرفی از حیث مآخذ تاریخ عہد وسطیٰ (ہند) انگریزی و فارسی، تقریباً ایکہزار صفحات غیر مطبوعہ۔

۱۶۔ لطائفِ اشرفی (فارسی تحقیق متن، غیر مطبوعہ)

۱۷۔ قصائد ذوقی فارسی (ایک ہزار اشعار سے زائد، تحقیق متن، ترجمہ، مقدمہ، (مشمولہ مجلۂ اللطیف ویلور بالاقساط)

۱۸۔ جواہر السلوک (یکی از مہمترین کتب تصوف فارسی و عربی) تصنیف حضرت قطب ویلور۔
(تحقیق متن ترجمہ اور مقدمہ مشمولہ مجلۂ اللطیف ویلور دار العلوم لطیفیہ جاری۔)